وسائطِ شرعیہ

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514 ، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

ww.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرُبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	وسائطِ شرعیہ
خطبات و دراسات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق وتدوین	:	ڈاکٹر علی اکبر قادری، محمد تاج الدین کالامی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Resea rch.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	اکتوبر 2006ء
تعداد	:	1,100
قیمت پریمئر کاغذ	:	75/- روپے

❁ ❁ ❁

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، وڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاج القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	وسائطِ شرعیہ
خطبات و دراسات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق وتدوین	:	ڈاکٹر علی اکبر قادری، محمد تاج الدین کالامی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	اکتوبر 2006ء
تعداد	:	1,100
قیمت اِمپورٹڈ کاغذ	:	-/100 روپے

Resea rch.com.pk

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات ولیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

فہرس

صفحہ	مشتملات
۹	پیش لفظ
۱۱	مقدمہ
۱۳	۱۔ واسطہ کا لغوی معنی و مفہوم
۱۵	۲۔ واسطہ کا حقیقی تصور اور اُس کی اَہمیت
۱۶	۳۔ واسطہ کی شرعی حیثیت
۱۸	۴۔ اللہ تعالیٰ نے رسالت کو خود واسطہ بنایا
۲۰	۵۔ واسطۂ رسالت سے متعلق اَئمہ کا عقیدہ
۲۲	۶۔ قبل از اسلام یہود کا عقیدہ
۲۳	۷۔ واسطہ کی تقسیم
۲۳	واسطۂ شرعیہ کا مفہوم
۲۴	واسطہ شرکیہ کی تعریف

مشتملات	صفحہ
بابِ اَوّل	
عالمِ اَمر سے عالمِ حشر تک خالق و مخلوق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ	۲۵
۱۔ تخلیقِ کائنات اور واسطۂ رسالت ﷺ	۲۷
۲۔ عالمِ اَرواح اور واسطۂ محمدی ﷺ	۳۰
۳۔ عالمِ دنیا اور واسطہ رسالتِ محمدی ﷺ	۳۲
۴۔ عالمِ برزخ اور واسطۂ محمدی ﷺ	۳۴
۵۔ عالمِ حشر اور واسطۂ رسالت ﷺ کی ناگزیریت	۳۸
بابِ دُوُم	
واسطۂ رسالت ﷺ کی دینی اَہمیت	۴۱
۱۔ واسطۂ رسالت ﷺ کے بغیر توحید ایمان نہیں بن سکتی	۴۳
۲۔ ہدایت پر استقامت کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ	۴۵
۳۔ حصولِ تقویٰ کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ	۴۷
۴۔ محبتِ الٰہی کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ	۵۱

صفحہ	مشتملات

۵۳	۵۔ اطاعتِ الٰہی کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ
۵۶	بارگاہ رسالت سے اعراض علامتِ نفاق ہے
۵۷	۶۔ گناہوں کی بخشش و مغفرت کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ
۵۹	جَاءُوْکَ کا مفہوم
	باب سوم
۶۱	**وسائط کی اقسام**
۶۵	۱۔ توحید اور واسطۂ ایمان
۶۷	۲۔ توحید اور واسطۂ محبت
۷۲	۳۔ توحید اور واسطۂ تعظیم
۷۶	۴۔ توحید اور واسطۂ حرمت
۷۸	۵۔ توحید اور واسطۂ اطاعت
۸۰	۶۔ توحید اور واسطۂ حکم
۸۳	۷۔ توحید اور وسطۂ توجہ
۸۵	۸۔ توحید اور واسطۂ ابلاغ

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

مشتملات	صفحہ
۹۔ توحید اور واسطۂ علم	۸۷
۱۰۔ توحید اور واسطۂ رضا	۸۹
۱۱۔ توحید اور واسطۂ توسل	۹۱
۱۲۔ توحید اور واسطۂ تبرک	۹۵
۱۳۔ توحید اور واسطۂ استعانت	۹۹
۱۴۔ توحید اور واسطۂ عطا	۱۰۵
۱۵۔ توحید او واسطۂ شفاعت	۱۰۸
۱۶۔ توحید اور واسطۂ ہدایت	۱۱۲
۱۷۔ توحید اور واسطۂ بیعت	۱۱۶
۱۸۔ توحید اور واسطۂ افعال	۱۱۸
۱۹۔ توحید اور واسطۂ ولایت	۱۱۹
۲۰۔ توحید اور واسطۂ اذیت	۱۲۱
۲۱۔ توحید اور واسطۂ مخالفت	۱۲۳
۲۲۔ توحید اور واسطۂ نصرت	۱۲۶
۲۲۔ توحید اور واسطۂ تعبُّد	۱۲۸
❖ مآخذ و مراجع	۱۳۳

پیش لفظ

واسطہ کا لفظ عام طور پر دو الگ چیزوں کے درمیان رابطے اور تعلق کے لیے بولا جاتا ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں بالعموم واسطہ اور وسیلہ دونوں مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں لیکن اہلِ علم وفن نے دونوں کے درمیان کسی حد تک فرق رکھا ہے۔ وسیلہ کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں جبکہ واسطہ وہ رابطہ اور تعلق ہے جسے پہنچنے کے لیے وسیلہ بنایا جاتا ہے۔

دینی عقائد اور بالخصوص توحید کے باب میں ائمہ نے یہ دونوں اصطلاحات استعمال کی ہیں خصوصاً توّسل کے تصوّر اور اس کی توضیحات پر مستقل کتب بھی موجود ہیں۔ جبکہ توسّط پر پورا ذخیرہ علمی کھنگال لیں آپ کو دو یا تین صفحات سے زیادہ مواد نہیں ملے گا۔ چنانچہ عقیدۂ توحید کے سلسلہ دروس کے دوران حضور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی نے جن موضوعات پر پوری شرح و بسط اور مجتہدانہ ادراک کے ساتھ توضیحات فرمائیں، وسائط کا موضوع ان میں سے ایک ہے۔ واسطہ پر جس تفصیلی وضاحت اور صراحت کے ساتھ آپ نے روشنی ڈالی ہے یہ پوری علمی تاریخ میں صرف ان کا امتیاز اور اختصاص ہے۔ ضرورت چونکہ ایجاد کی ماں ہے اس لئے اس موضوع پر بھی تفصیلی بحث کا سبب وہ غلط فہمیاں ہیں جن کا وجود شاید پہلے نہیں تھا۔

مشرق و مغرب میں اسلامی عقائد بالخصوص توحید و رسالت مناظروں اور بحث و مباحثہ کا جس طرح گذشتہ کئی دہائیوں سے موضوع بنے ہوئے ہیں پہلے نہیں تھے۔ علم الکلام کی بعض بحثیں اسلاف کے ہاں بھی متنازعہ رہی ہیں لیکن اس وقت کے معروضی حالات اور اب کے معروضی حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے، تب یہ تنازعات بالعموم

علماء کی حد تک محدود رہتے تھے۔ حکومت و ریاست پر بھی چونکہ مسلمانوں کی اپنی دسترس تھی اس لئے مجموعی قوت و طاقت متاثر نہیں ہوتی تھی، جبکہ ہمارے اس دور میں تو باطل استعمار اسلام کی سیاسی قوت کے پھر سے اُبھرنے کے امکانات کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان کلامی مباحث کی غلط تعبیر اور اس کے نتیجے میں مناقشے، مناظرے اور دنگا وفساد کو ہوا دینا اس کے مزعومہ ایجنڈے کا حصہ ہیں۔ ہمارے بعض نادان طبقات زہر افشانی کے اس ابلیسی مشن کو اسلامی خدمت اور افضل جہاد سمجھ کر دن رات ایک کئے ہوئے ہیں حالانکہ حقوق و فرائض کی تعلیمات اور اعمال کی اصلاح کا میدان بہت وسیع ہے۔ پھر یہ سلسلہ اگر اسلامی ممالک اور مذہبی معاشروں تک محدود ہوتا تو کسی حد تک قابل فہم تھا، مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ چین کی مسلمان اقلیت ہو یا یورپ اور امریکہ میں مقیم محنت کش بھولے بھالے مسلمان ہر کہیں عقائد کی تفریق اور انتشارِ ذہنی کے اثرات پہنچ چکے ہیں۔ نوجوان نسل تو اس جھنجٹ میں پڑنے سے ویسے ہی گھبراتی ہے اور اسی وجہ سے ان کے دلوں میں علماء اسلام کا وہ ادب و احترام اب باقی نہیں جو کسی وقت اسلامی سوسائٹی کا امتیاز ہوتا تھا۔ چنانچہ عوام و خواص اور خواتین و حضرات کو جب تک تصویر کا صحیح رخ نہیں دکھایا جاتا وہ تشکیک کے کانٹوں سے اپنے خرمن ایمان کو سلامت نہیں رکھ سکتے۔ ''سلسلہ عقیدہ توحید'' کے جملہ موضوعات اسی اہم ترین عصری ضرورت کی تکمیل اور مرض لادوا کا علاج ہے۔

اس مختصر کتاب میں وسائط شرعیہ کی اقسام کے ساتھ واسطہ شرکیہ کو الگ بیان کر دیا گیا ہے تاکہ مغالطوں کا سلسلہ بند ہوسکے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کو ایمان اور عقائد میں جس مرکزی حیثیت پر فائز فرمایا ہے اس کو پوری مرحلہ وار واضحیت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مطالعہ سے اس باب میں پیدا شدہ تشکیک کا غبار کافی حد تک چھٹ جائے گا۔

(ڈاکٹر علی اَکبر قادری)

ڈائریکٹر، فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ

مُقَدِّمَہ

عصرِ حاضر میں مذہبی عقائد کے باب میں جہاں کئی بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں وہاں واسطہ کے تصور پر بہت سی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں دانستہ پیدا کی گئی ہیں۔ مغرب میں بالخصوص اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں بالعموم توحید اور شرک مسلمانوں کے ہاں مناظروں کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔ ان کا زیادہ تر اہتمام وہ لوگ کرتے ہیں جن کا علم سطحی نوعیت کا ہے اور وہ شرعی اُمور کو گہرائی سے دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ وہ محض رائے زنی سے غلط عقیدہ گھڑ لیتے ہیں۔ ایک خاص مکتبہ فکر کے علماء نے اپنی کتابوں میں اس خود ساختہ غلط نظریے کا قرآنی آیات کی غلط تشریح پر مبنی یہ تصور دیا ہے کہ شریعت میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہماری دعائیں، التجائیں اور مناجات سنتا ہے، وہ کسی واسطے کا محتاج نہیں، پس جہاں واسطہ اور توسُّل کا ذکر آ جائے وہ اسے توحید کے منافی سمجھنے لگتے ہیں اور فی الفور شرک کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ آیات کی مَن مانی تاویل کر کے واسطہ کا یہ معنی مراد لیتے ہیں جیسے کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان حائل کر دیا گیا ہو، حالانکہ یہ تصوّر جہالت یا کم علمی کی پیداوار ہے اور اسے وہی پیش کر سکتا ہے جسے حقیقتِ توحید اور حقیقتِ شرک کا صحیح ادراک نہ ہو۔ اس باب میں قرآن حکیم سے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں سرِفہرست یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلاَ لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ م مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللهِ زُلْفٰى ط اِنَّ اللهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ط اِنَّ اللهَ لاَ يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ○[1]

---

(۱) الزمر، ۳۹: ۳

”(لوگوں سے کہہ دیں:) سُن لو! طاعت و بندگی خالصۃً اللہ ہی کے لئے ہے، اور جن (کفّار) نے اللہ کے سوا (بتوں کو) دوست بنا رکھا ہے، وہ (اپنی بُت پرستی کے جھوٹے جواز کے لئے یہ کہتے ہیں کہ) ہم اُن کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرّب بنا دیں، بیشک اللہ اُن کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں فرماتا جو جھوٹا ہے، بڑا ناشکر گزار ہے o“

کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اصنام اَرْبَابٌ مِنْ دُوْنِ اللهِ ہیں۔ وہ اپنی بت پرستی کے جھوٹے جواز کے لئے یہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔ چونکہ وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہوئے شرک فی الالوھیت کے مرتکب ہوتے تھے اس لئے ان کے اس عمل کو شرک قرار دیا گیا۔

ہمارے نزدیک صحیح عقیدہ یہی ہے کہ کفار و مشرکین کی طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے کسی کی عبادت کرنا واسطۂ شرکیہ ہے۔ تاہم قرآنِ حکیم کی اس آیت پر مسلمانوں کے جائز شرعی واسطہ اور وسیلہ کو قیاس کرنا باطل ہے۔ انبیاء و اولیاء کا واسطہ اختیار کرنے والے ہرگز شرک کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق انعام یافتہ بندوں کی معیّت اختیار کرتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مشرکین اور مسلمانوں کے عمل میں بعد المشرقین ہے۔ ان کا آپس میں کوئی بھی جوڑ نہیں۔ کیونکہ انبیاء و اولیاء کا وسیلہ اور واسطہ اختیار کرنے والے ان کو اللہ تعالیٰ کا ساجھی، شریک اور کسی بھی درجہ میں ان کی عبادت اور اُلوہیت کے قائل نہیں ہیں۔ جبکہ مشرکین اپنے جھوٹے خداؤں کو اِلٰہ بھی مانتے ہیں اور معبود بھی۔

معترضین اپنے مؤقف کی تائید میں قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِo(۱)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں o''

پس ان لوگوں کے مطابق جب وہ ذات اس قدر قریب ہے تو پھر اس تک رسائی کے لئے کوئی واسطہ ہے نہ واسطے کی ضرورت، لہٰذا جو شخص واسطہ مقرر کرتا ہے وہ صریحاً شرک کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی شان کے مطابق ہر انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ واجب الوجود اور قائم بالذات ہے۔ **فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ** (البقرہ، ۲:۱۱۵) اسی کی شان ہے ۔ اس صفت مطلقہ میں اس کا کوئی شریک نہیں وہ قادرِ مطلق ہے۔انسان جو کچھ جس وقت بھی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی انسان اگر بارگاہِ الٰہی کا تقرب حاصل کرنا چاہے تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب بھی قرآن مجید میں موجود ہے خود باری تعالیٰ نے وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، اس کا تفصیلی بیان کتاب التوحید جلد دوم میں عقیدۂ توحید اور توسل کے عنوان کے تحت ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ کا مطلقاً انکار ایک انتہائی موقف ہے۔ جو سراسر غلط، خلافِ شریعت اور خلافِ توحید رجحان کا غماز ہے۔ **ثانیاً** ایسی ہٹ دھرمی اور شدت عموماً جہالت اور کساوت کی پیداوار ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واسطہ محض ایک تعلق اور رابطہ ہوتا ہے۔اس تعلق اور واسطے کو ماننا جس طرح شرک نہیں اسی طرح اس کی افادیت اور مؤثریت کا سرے سے انکار کر دینا توحید بھی نہیں۔

۱۔ واسطہ کا لغوی معنی و مفہوم

واسِطة وَسَطَ سے مشتق ہے جس کا معنی اہلِ لغت نے یوں لکھا ہے:

وَسَطَ الشیء: مَا بَيْنَ طَرَفِيهِ. (۲)

(۱) ق، ۵۰:۱۶

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۷: ۴۲۶

"کسی چیز کے وسط سے مراد دو کناروں کا درمیانی حصہ ہے۔"

پس واسطہ کا معنی ہوا ایسی چیز جو بیچ میں ہو اور اس کا دو الگ چیزوں سے رابطہ ہو۔

اصل میں واسطہ اس اعلیٰ جوہر کو بھی کہا جاتا ہے جو ہار کے درمیان میں ہوتا ہے۔ صحاح میں ہے:

وواسطة القلادة: الجوهر الذی فی وسطها وهو أجودها. (۱)

"ہار میں وسط سے مراد وہ جوہر ہے جو اس کے درمیان میں ہو اور اس کا عمدہ ترین حصہ ہو۔"

ثالث کو بھی الوَسَاطَةُ اور اَلْوَسِیْطُ کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی متنازع فریقین کے درمیان تصفیہ کرکے ان کا آپس میں رابطہ کرواتا ہے۔

اسی طرح الوَاسِطُ کا معنی دروازہ بھی ہے۔ دروازہ بھی کسی عمارت یا کمرہ کے اندر اور باہر رابطہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔اس معنی کے اعتبار سے کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بھی واسطہ ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ بِوَاسِطَةِ الشَّئِی بذریعہ فلاں چیز یا بِوَاسِطَةِ فُلَانٍ "بتوسط فلاں شخص"

یعنی واسطہ میں سبب اور ذریعہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

وَهُوَ وَاسِطة لکذا ای علّة. (۲)

"وہ کسی کام کا واسطہ ہے یعنی اس کا ذریعہ اور سبب ہے۔"

اسی طرح وَبِوَاسِطَةِ کذا کا معنی ہے ای بعلّة کذا. (۳)

"کسی کام کے واسطہ سے مراد اس کام کا ذریعہ اور سبب بننا ہے۔"

---

(۱) ۱۔ جوہری، الصحاح، ۲: ۶۸۷

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۷: ۴۲۹

(۲) بطرس، البستانی، محیط المحیط، ۹۶۸

(۳) بطرس، البستانی، محیط المحیط، ۹۶۸

اس لغوی وضاحت سے معلوم ہوا کہ واسطہ درحقیقت دو چیزوں کے درمیان رابطے اور تعلق کا نام ہے یعنی واسطہ دو علیٰحدہ ذاتوں کو ملانے اور جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ یہ ذریعہ دو بندوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، بندے اور خالق کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور نبی کے درمیان بھی ہوسکتا ہے اور نبی اور امتی کے درمیان بھی۔ شرعی اِصطلاح میں اس درمیانی ذریعہ اور واسطہ کو وسیلہ، توسُّل اور توسُّط بھی کہا جاتا ہے۔ یہی توسُّل اور توسُّط کسی کے قُرب کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ واسطہ کا حقیقی تصور اور اُس کی اَہمیت

مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق، واسطے اور رابطے پر مبنی ہے، اس رابطے اور واسطے کی نفی توحید کی نفی ہے۔ اس واسطے کو قرآن کی زبان میں نبوت و رسالت کہا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے وحی کا انکار کیا اور رسالت کے منکر ہوگئے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے منکر کہلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک مثال یوں دی ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ج وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ط قُلِ اللهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ○(۱)

''اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہیے تھی جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ آپ فرما دیجئے: وہ کتاب کس نے اتاری تھی جو موسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی؟ تم نے جس کے الگ الگ کاغذ بنا لئے ہیں تم اسے (لوگوں پر) ظاہر (بھی) کرتے

(۱) الانعام، ۶: ۹۱

ہو اور (اس میں سے) بہت کچھ چھپاتے (بھی) ہو اور تمہیں وہ (کچھ) سکھایا گیا ہے جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ فرما دیجئے: (یہ سب) اللہ (ہی کا کرم ہے) پھر آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیں کہ وہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں o‘‘

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ چاہے تو وحی کو لوگوں کے دلوں میں براہِ راست القاء کرسکتا ہے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے اور بندوں کے درمیان انبیاء و رسل علیھم السلام کو واسطہ بنایا اور ان انبیاء و رسل پر بھی عموماً فرشتوں کے واسطے سے وحی نازل فرمائی۔ اس لئے ایسے غلط عقیدے سے توبہ کرنی چاہیے اور ایسی نام نہاد توحید پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے جس میں انسان ان شرعی واسطوں کا بھی منکر ہوجائے جو جزوِ ایمان ہیں۔ واسطۂ نبوت و رسالت کا انکار ہو یا واسطۂ وحی کا انکار۔ یہ توحید کا بھی انکار ہے، رسالت کا بھی انکار ہے اور ایمان سے بھی محرومی کی علامت ہے۔

۳۔ واسطہ کی شرعی حیثیت

ایک بندۂ مومن کا مقصودِ حیات، اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب اور اسکی رضاء و خوشنودی کا حصول ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جا بجا متلاشیانِ حق کو اپنے حضور تک تقرب اور رسائی کا وسیلہ تلاش کرنے کے بارے رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ توسُّل اور توسُّط کا حکم فرمایا ہے۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo (۱)

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤo‘‘

---

(۱) المائدہ، ۵: ۳۵

اس آیتِ کریمہ میں چار چیزوں کا بیان ہے:

۱۔ ایمان

۲۔ تقویٰ

۳۔ حصولِ توسُّل وتوسُّط

۴۔ جہاد فی سبیل اللہ

سب سے پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا اور ایمان کے بعد تقویٰ کا حکم دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دو بنیادی اور اساسی خصوصیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے واسطہ اور وسیلہ تلاش کرنے کا حکم کیوں فرمایا: حالانکہ اِتَّقُوا اللّٰہَ کے الفاظ بندۂ مؤمن کے تمام اعمالِ صالحہ کو محیط ہیں۔ اس کے باوجود تیسرا حکم آیتِ مذکورہ میں تلاشِ وسیلہ کا ہے۔ ارشاد فرمایا: وَابْتَغُوْآ اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو)۔''

بعض علماء نے اس آیتِ کریمہ میں تلاشِ وسیلہ سے فقط ایمان اور اعمالِ صالحہ مراد لیا ہے۔ جبکہ اکثر علماء نے آیتِ کریمہ کے ان الفاظ سے مراد انبیاء، صلحاء اور اولیاء کی ذواتِ مقدّسہ کو لیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اِتَّقُو اللّٰہَ میں ایمان، اعمالِ صالحہ اور عبادات سب شامل ہیں۔ قُرب وحضورِ الٰہی کا وسیلہ، جہاں اعمالِ صالحہ اور ایمان بنتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء بطریقِ اُولیٰ وسیلہ ہیں۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے القول الجمیل 'میں وسیلہ سے مراد بیعتِ مرشد جبکہ شاہ اسمٰعیل دہلوی نے 'صراطِ مستقیم' میں وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

بدون مرشد راہ یابی نادِر است۔(۱)

''مرشد کی راہنمائی کے بغیر (ہدایت ربانی) کا ملنا شاذ و نادر ہے۔''

چوتھا حکم جہاد کا ہے۔ جہاد بھی اسلام کی اشاعت و ترویج، دین کے احیاء و اقامت، احکامِ الٰہیہ کے نفاذ اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے وسیلہ بنتا ہے۔ جب ایک ہی آیتِ

(۱) ۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، القول الجمیل: ۳۴

۲۔ شاہ اسمعیل دہلوی، صراطِ مستقیم: ۵۸

کریمہ میں مذکور چار چیزوں ......ایمان، تقویٰ ، وسیلہ اور جہاد ......میں سے تین چیزیں ......ایمان، تقویٰ، جہاد......شرک اور بدعت نہیں بلکہ جائز امور ہیں تو وسیلہ بھی آیت میں بیان کردہ دیگر چیزوں کی طرح حکمِ قرآنی اور امرِشرعی ہے اس کا تعلق ہرگز شرک اور بدعت سے نہیں۔ بلکہ یہ حکمِ الٰہی ہے۔قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر تلاشِ وسیلہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

۲. أُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًاo(۱)

’’یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں (یعنی ملائکہ، جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہم کے بت اور تصویریں بنا کر اُنہیں پوجتے ہیں)، وہ (تو خود ہی) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے (بارگاہِ الٰہی میں) زیادہ مقرب کون ہے اور (وہ خود) اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور (وہ خود ہی) اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (اب تم ہی بتاؤ کہ وہ معبود کیسے ہوسکتے ہیں، وہ تو خود معبودِ برحق کے سامنے جھک رہے ہیں۔) بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔‘‘

۴۔ اللہ تعالیٰ نے رسالت کو خود واسطہ بنایا

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی بات ہر شخص سے براہِ راست نہیں کہی حالانکہ ایسا کرنا اس کی قدرتِ مطلقہ کے لیے ناممکن نہیں تھا۔ وہ چاہتا تو براہِ راست ہر شخص کے دل میں اپنی وحدانیت کی بات القا کر دیتا۔ وہ ہر شخص کی فطرت (nature) میں یہ عقیدہ ودیعت (inherent) کر دیتا کہ وہ خلقی طور پر (by birth) جوں جوں جوان ہوتا، اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا اور اس پر اس کا اعتماد قائم ہوتا چلا جاتا اس طرح یہ علم ہر انسان کو

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۵۷

بلاواسطہ (Directly) بھی عطا ہوسکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں۔ اس نے کسی کو یہ علم بلاواسطہ نہیں دیا اللہ ﷻ کی یہ عادت نہیں کہ وہ کسی فرد بشر سے براہِ راست خطاب فرمائے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ ط اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ (۱)

''اور ہر بشر کی (یہ) مجال نہیں کہ اللہ اس سے (براہِ راست) کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے (کسی کو شانِ نبوت سے سرفراز فرما دے) یا پردے کے پیچھے سے (بات کرے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے طورِ سینا پر کی) یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے (الغرض عالمِ بشریت کے لئے خطابِ اِلٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور رسول ہی ہو گا)، بیشک وہ بلند مرتبہ بڑی حکمت والا ہے۔''

اس مقام پر قابلِ فہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دستور اور قاعدے کا اعلان کیا کہ اس کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی انسان سے بغیر وحی کے کلام کرے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت تھی، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ قدرت کے باوجود ایسا نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی طاقت اور اختیار میں سب کچھ ہے مگر اس کے اپنے ارشاد کے مطابق وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ○ (۲)

''بیشک آپ کا رب جو ارادہ فرماتا ہے کر گزرتا ہے۔''

یہ بھی اس کی شان ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (۳)

---

(۱) الشوریٰ، ۴۲: ۵۱

(۲) ھود، ۱۱: ۱۰۷

(۳) البقرہ، ۲: ۲۰

''بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

وہ کسی عام فردِ بشر سے ہمکلام نہیں ہوا، اس لیے نہیں کہ ایسا کرنا اس کی طاقت سے باہر تھا بلکہ اس لئے کہ کسی فردِ بشر کو یہ مجال، طاقت اور صلاحیت (capability) حاصل نہیں ہے کہ وہ بلاواسطہ اس سے کلام کر سکے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں سے کلام کرنے کا صرف ایک ہی واسطہ اختیار فرمایا ہے جو کہ وحی ہے اور وحی جس پر بھیجی جاتی ہے وہ نبی ہوتا ہے۔ اِس تفصیل کی روشنی میں اِرشادِ اِلٰہی کا معنی یہ ہوا کہ کسی بشر میں یہ ہمت نہیں کہ وہ بغیر واسطۂ نبوت کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے ہم کلام ہو۔ اس آیتِ مبارکہ کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست بشر سے گفتگو کے امکان کو رد فرمایا اور معاً بعد وحی کے تین طریقے بیان فرما دیئے جن کے توسط سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء و رسل علیہم السلام سے گفتگو فرمائی اور یہی تین طریقے وحی کے معروف طریقے ہیں۔

(۱) وہ براہِ راست کلام فرمائے

(۲) حجاب کے پیچھے سے کلام فرمائے

(۳) اپنا رسول یعنی فرشتہ بھیج کر جس کو اس کا اذن ہو اس سے کلام فرمائے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کیلئے ان تین صورتوں میں سے جو صورت چاہے اختیار فرمائے لیکن چوتھا کوئی براہِ راست یا بالواسطہ طریقہ نہیں جس کے ذریعے اُس نے اپنے بندوں سے کلام فرمایا ہو۔ الغرض عالمِ بشریت کے لئے خطابِ اِلٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور رسول ہی ہو گا۔

۵۔ واسطۂ رسالت سے متعلق ائمہ کا عقیدہ

اللہ تعالیٰ اپنا حکم اپنے بندوں تک پہنچانے کیلئے واسطۂ رسالت بروئے کار لاتا ہے مگر وہ اس کا محتاج نہیں۔ وہ اس مقصد کے لئے اپنے برگزیدہ بندوں میں سے جس کو چاہے چن لیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو منتخب کر کے اپنی وحی کے لئے مقرر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ نبی اور رسول کہلاتا ہے۔ گویا ''رسالت'' ہے ہی اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے

درمیان واسطہ جسے مرسِل (اللہ تعالیٰ) مرسَل الیہ (مخلوق) کی طرف بھیجتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ واسطۂ رسالت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وبالجملة فينبغى للعاقل أن يعلم أن قيام دين الله فى الأرض إنما هو بواسطة المرسلين صلوٰة الله وسلامه عليهم أجمعين، فلولا الرسل لما عُبِد الله وَحُدَه لا شريک له ولما عَلِم الناس أكثر ما يستحقه سبحانه من الأسماء الحسنیٰ والصفات العلی، ولا كانت له شريعة فی الأرض. (۱)

''خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ایک صاحب عقل و خرد شخص کو معلوم ہونا چاہیے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے دین کا قیام صرف رسولوں کے واسطہ ہی سے ہے۔ اگر رسول نہ آتے تو اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت نہ کی جاتی اور نہ ہی لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کیا ہیں جن کا وہ مستحق ہے اور نہ ہی اس کی شریعت زمین پر قائم ہوتی۔''

علامہ ابن قیمؒ جوزیہ، علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد تھے۔ آپ ایک عظیم حنبلی فقیہ ہیں۔ آپ اپنی کتاب **طریق الهجرتین و باب السعادتین** میں انبیاء کو واسطہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ويكفي في فضلهم (أي: الأنبياء) وشرفهم أن الله سبحانه وتعالى اختصهم بوحيه، وجعلهم أمناء على رسالته، وواسطة بينه وبين عباده. (۲)

''انبیاء علیہم السلام کے فضل اور شرف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں اپنی وحی کے ساتھ مختص کیا ہے، اور اپنی رسالت کے ساتھ امین بنایا ہے،

(۱) ابن تيمة، الصارم المسلول، ۲۴۹

(۲) ابن قيم، طريق الهجرتين وباب السعادتين، ۱:۵۱۵

اور اِنہیں اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنایا ہے‘‘

عمدۃ المفسرین علامہ احمد صاوی مالکی علیہ الرحمۃ ہر اُمت کے لیے انبیا کو اور تمام انبیا کے لئے حضور ﷺ کو واسطہ قرار دیتے ہوئے تفسیر صاوی میں فرماتے ہیں:

فَالْأَنْبِيَاءُ وَسَائِط لأُمَمِهِمْ فِي كُلّ شَيْءٍ وَوَاسِطَتُهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ. (۱)

’’انبیاء کرام علیھم السلام اپنی اُمتوں کے لئے ہر شے میں واسطہ ہیں اور انبیاء کا واسطہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔‘‘

علامہ صاوی حضور ﷺ کو اَلْوَاسِطَةُ لِكُلِّ وَاسِطَةٍ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَهُوَ الْوَاسِطَةُ لِكُلِّ وَاسِطَةٍ حَتّٰى آدَمَ. (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ ہر واسطہ کا واسطہ ہیں یہاں تک کہ آدم علیہ السلام کا بھی واسطہ ہیں۔‘‘

ائمہ و محدّثین نے اِس اَمر کی صراحت کی ہے کہ محض عقل کے بل بوتے پر معرفت الٰہی ممکن نہیں، یہ رسول ہی تھے جن کے واسطہ سے لوگ دین سے آشنا ہوئے۔ ہمارے عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کی اساس اس پر قائم ہے کہ واسطۂ نبوت و رسالت ناگزیر اور اٹل حقیقت ہے۔

۶۔ قبل از اسلام یہود کا عقیدہ

آپ ﷺ کی ولادت سے قبل یہود، مشرکینِ عرب پر فتح حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کا وسیلہ اور واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) صاوی، تفسیر صاوی ۱:۱۰۷

(۱) صاوی، تفسیر صاوی، ۱:۲۲

وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا.[۱]

’’حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ اور ان پر اترنے والی کتاب ’’قرآن‘‘ کے وسیلے سے) کافروں پر فتحیابی (کی دعا) مانگتے تھے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں یہودیوں کا ایک عمل بیان ہوا ہے جس کی قرآن مجید نے تصدیق فرمائی اور جملہ محدثین و مفسّرین کرام نے اس سے دلیل پکڑی ہے۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب گزشتہ اُمتوں کا ہمارے آقا و مولیٰ حضور نبی اکرم ﷺ سے توسّل کرنا ثابت ہے تو پھر اس امت کے لئے آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنا تو بطریقِ اولیٰ جائز اور درست عمل ہے۔

۷۔ واسطہ کی تقسیم

یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ ہر واسطہ شرک نہیں ہوتا بلکہ صرف واسطۂ تعبد یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حصول تقرب کے لئے (بطور وسیلہ) کسی کی عبادت کرنا شرک ہے جیسے کفار و مشرکین بت پرستی کے جواز کے لئے عبادت کا واسطہ اختیار کرتے تھے۔

بنیادی طور پر وسائط کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ واسطۂ شرعیہ

۲۔ واسطۂ شرکیہ

واسطۂ شرعیہ کا مفہوم

ہر اس عمل اور فعل کو اختیار کرنا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، وہ فی نفسہٖ تقرب الی اللہ کے لئے واسطۂ شرعی کا حکم رکھتا ہے۔ واسطۂ شرعی کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے۔ واسطہ کی حقیقت و اہمیت سے عدم آگاہی کے سبب مطلقاً یہ حکم لگا دینا کہ ہر واسطہ شرک ہے قطعاً درست نہیں مثلاً دورانِ نماز استقبال قبلہ (قبلہ کی طرف منہ کرنا) واسطہ شرعیہ ہے۔ اس واسطہ کے ذریعہ کعبہ کی عبادت نہیں کی جاتی بلکہ اس کی طرف

(۱) البقرہ، ۲: ۸۹

منہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی جاتی ہے۔

واسطہ شرکیہ کی تعریف

ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت ﷺ کے بغیر واسطہ اختیار کرنا شرعی نہیں بلکہ شرکیہ واسطہ ہے مثلاً کفار و مشرکین کا اپنے معبودانِ باطلہ یعنی لات و عزیٰ وغیرہ کی عبادت و پرستش کرنا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنا شرکیہ واسطہ ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص انبیاء و اولیاء کا واسطہ اس غلط تصور کی بنیاد پر اختیار کر لیتا ہے کہ جس طرح انسانوں کے معاشرے میں وزراء کی سفارش کے بغیر بادشاہ کے یہاں کوئی کام نہیں بنتا اسی طرح واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ بھی نہ دعائیں سنتا ہے اور نہ عبادت قبول کرتا ہے، ایسا عقیدہ رکھنا بلاشبہ شرک ہے کیونکہ بادشاہ اور وزیر کے باہمی تعلق کو اللہ تعالی اور انبیاء واولیاء کرام کے تعلق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ بادشاہ یا حکمران اپنے وزراء کی اعانت ومشاورت کا حاجت مند ہوتا ہے، اس باہمی تعلق میں دونوں انسان ہیں اور دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ ان حقوق میں سے ایک اعانت ومشاورت کا حق ہے جن کا بادشاہ بطورِ انسان محتاج اور ضرورت مند ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات قادرِ مطلق ہے، وہ احکم الحاکمین ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی برگزیدہ ہستی خواہ نبی ہو یا ولی وہ کسی کی معاونت، مشاورت اور حکم و تجویز کا محتاج نہیں اور نہ کسی کا اللہ تعالی پر کوئی حق ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء اکرام کے توسُّل کو شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے، یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بہ جبر و اکراہ منوانے پر کوئی بھی قادر نہیں ہے۔ اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے فضل و کرم اور اپنی شانِ عطا سے نوازتا ہے۔ وہ محض اپنے فضل و کرم سے ان کی دعاؤں کی شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص شفیع اور غالب کا عقیدہ رکھ کر واسطہ اختیار کرے تو ایسی صورت میں ہم اسے واسطۂ شرعیہ نہیں واسطۂ شرکیہ کہیں گے۔

آئندہ ابواب میں وسائط پر قدرے تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

بابِ اوّل

عالمِ اَمر سے عالمِ حشر تک
خالق و مخلوق کے درمیان
واسطۂ عظمیٰ

www.MinhajBooks.com

آیاتِ بینات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں واسطہ اور وسیلہ بنانا اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی سنت ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود ذات و صفات اور افعال میں سے کونسی چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب واسطہ بن سکتی ہے؟ ان شرعی وسائط کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں آ رہا ہے لیکن یہاں ہم سب سے پہلے کائنات ہست و بود کی سب سے بڑی ہستی ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی اِس حیثیت کا مطالعہ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ بنایا۔ عالمِ امر و خلق ہو یا عالمِ ارواح، عالمِ دنیا ہو یا عالمِ برزخ یا عالمِ حشر، ازل سے ابد تک ہر جگہ سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مقدّسہ ہی ہمیں نظر آتی ہے جو ہر ہر لمحے پر مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ بن رہی ہے۔

ذیل میں ہم بالترتیب ان تمام مراحل اور ان میں حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطۂ جلیلہ کی مرکزی حیثیت کا بالاختصار تذکرہ کر رہے ہیں۔

۱۔ تخلیقِ کائنات اور واسطۂ رسالت ﷺ

قرآن و حدیث اور ان کی تشریحات و توضیحات کا تمام ذخیرہ چھان لیں ہمیں از اوّل تا آخر ایک ہستی، ایک ذات اور ایک شخصیت دکھائی دیتی ہے جو اس پوری بزم کون و مکان میں محبوبیت عظمیٰ کے مقام پر فائز ہے اور وہ ہے ...... ہمارے آقائے نامدار حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کی ذاتِ اقدس ...... تمام خلق میں کوئی آپ ﷺ سے بڑھ کر کیسے ہوتا کہ خالق نے تو اس عالم و ارض و سماء میں جن و انس اور موت وحیات کا نظام بنایا ہی اسی کے لیے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ قدسی کا مضمون ملاحظہ

کریں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وعزتی و جلالی لولاک ما خلقت الجنّة ولولاک ما خلقت الدّنیا. (۱)

’’میری عزت وعظمت کی قسم، اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو جنت کو بھی پیدا نہ کرتا اور اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو پھر دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔‘‘

ایک اور حدیث جسے کثیر ائمہ ومحدثین نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاکَ. (۲)

’’محبوب! اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو کائنات ہست و بود کو بھی وجود میں نہ لاتا۔‘‘

معروف مفسر امام آلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ) نے تفسیر روح المعانی میں حقیقت محمدیہ ﷺ کے بیان میں اس حدیث کو بیان کیا ہے پھر اسی روایت کو سورۃ الفتح کی آیت إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيناً میں ’’لَکَ‘‘ کی تفسیر میں لکھا ہے:

أن لام (لَکَ) للتعلیل و حاصله أظهرنا العالم لأجلک و هو فی معنی ما یرونه من قوله سبحانه (لولاک لولاک ما خلقت الأفلاک). (۳)

’’(لَکَ) میں لام تعلیل کے لئے ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ہم نے عالم کو آپ کی خاطر ظاہر کیا، اس کا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بیان ہوا ہے کہ

(۱) دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۲۲۷، رقم: ۸۰۳۱

(۲) ۱۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۲۱۴، رقم: ۲۱۲۳

۲۔ آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۱: ۵۱

(۳) آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۲۶: ۱۲۹

(اے حبیب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں اس کائنات کو پیدا نہ کرتا۔‘‘

معلوم ہوا کہ مفسرین اور دیگر ائمہ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ الفاظ میں فرق تو ہوسکتا ہے لیکن معناً یہ روایت بالکل درست ہے، نور نبی ﷺ کی اوّلیت تخلیق کے حوالے سے ذخیرۂ کتب احادیث میں کئی روایات ملتی ہیں۔ علامہ عجلونی (۱۱۶۲ھ) نے مذکورہ بالا روایت کے بارے میں لکھا ہے۔

و أقول لكن معناه صحيح و إن لم يكن حديثاً. (۱)

’’میں کہتا ہوں کہ اگر یہ حدیث نہ بھی ہو تو بھی یہ روایت معناً صحیح ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی تخلیق کے باب میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ائمۂ عقائد کے نزدیک آپ ﷺ کے نور کی (تخلیق کے اعتبار سے پوری کائنات پر) حقیقی اوّلیت ہر قسم کے شک و شبہ اور اختلاف سے بالاتر ہے۔

وہ ائمہ جو عقائد میں سند کا درجہ رکھتے ہیں جن کی عمریں توحید اور شرک کا صحیح مفہوم سمجھانے میں صرف ہوئیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ نورِ محمدی ﷺ کو سب سے پہلے تخلیق کیا گیا انہی ائمہ میں سے ایک امام ابو الحسن اشعری ہیں جو عقائد میں امام علی الاطلاق ہیں، حدیث نور کی شرح میں فرماتے ہیں:

الله تعالى نور، كالأنوار، والرّوح النّبوية القدسيّة لمعة من نوره والملئكة شرر تلك الأنوار، وقال ﷺ أوّل ما خلق الله نورى ومن نورى خلق كل شئ. (۲)

’’اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی روحِ مقدّسہ اسی نور کی ایک چمک ہے اور فرشتے انہی انوار کا پرتو ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ

(۱) عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۲۱۴، رقم: ۳۱۲۳

(۲) فاسی، مطالع المسرّات: ۲۶۵

نے میرا نور پیدا کیا اور باقی ہر چیز میرے نور سے پیدا کی۔‘‘

ائمہ کاملین اور اجل محدثین و مفسرین کرام نے تخلیقِ محمدی ﷺ کے حوالے سے مروی احادیث کو قبول کر کے اپنی گراں قدر تصانیف میں جگہ دی ہے اور پھر ان کی تشریح و تعبیر کر کے یہ ثابت کیا کہ آقائے دوجہاں ﷺ تمام مخلوقات سے نہ صرف افضل و برتر ہیں بلکہ وجہ تخلیقِ کائنات بھی آپ ﷺ ہیں یعنی کائنات کو وجود میں لانے کا واسطہ بھی آپ ﷺ ٹھہرے، بقول مولانا ظفر علی خان ؎

گر ارض و سما کی محفل میں لَوْلَاکَ لَمَا کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں (۱)

تخلیقِ کائنات میں واسطۂ رسالت ﷺ کو ایک نعتیہ شعر میں اعلیٰ حضرت محدث بریلویؒ نے کتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے (۲)

۲۔ عالمِ اَرواح اور واسطۂ محمدی ﷺ

عالمِ اَرواح میں جب تمام اَنبیاء کرام کو خلعتِ نبوت سے مشرف فرمایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے نہ صرف واسطۂ رسالت محمدی ﷺ کی اہمیت و افادیت بیان فرمائی بلکہ اس واسطۂ عظمیٰ کو ہی نبوت و رسالت کے مناصبِ جلیلہ کی تفویض کا ذریعہ قرار دیا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ

---

(۱) مولانا ظفر علی خان

(۲) احمد رضا خان، حدائق بخشش، ۱: ۶۲

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○[1]

’’اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اِقرار کر لیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں○‘‘

اللہ تعالیٰ جب تمام پیغمبروں سے مناصبِ نبوت و رسالت کا حلف لے رہا تھا تو اس مجلسِ جلالت و مرتبت اور علوشان کا عالم کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ انسانی عقل و شعور کی حدِ ادراک سے باہر ہے۔ لیکن ہماری عقلِ ناقص اس اُلوہی مجلس کی عظمت و شان کے ایک پہلو کا یوں اندازہ لگا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواحِ انبیاء و رُسل علیھم السلام کے اس مقدّس اجماع میں اپنی شان کے لائق اپنے رسولِ اعظم و آخر ﷺ کی قدر و منزلت کا اظہار فرمایا۔ اسی قدر و منزلت کے اظہار کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان کی شرط عائد فرما کر انبیاء و رُسل علیھم السلام کو اس واسطہ کی اہمیت باور کروائی۔ اس مجلس میں بڑے اِہتمام سے اس حلف کے ساتھ ساتھ ان انبیاء کو بطورِ خاص بتایا گیا کہ تمہیں نبوت و رسالت کی عظیم نعمت اور جلیل القدر منصب دیا جارہا ہے اس شرط کے ساتھ کہ تم میں سے ہر ایک کی رسالت و نبوت بالواسطہ میرے محبوب خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے چراغِ نبوت و رسالت سے مستنیر اور مستفیض ہوگی۔

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۸۱

چنانچہ کسی نبی علیہ السلام کو بھی عالمِ ارواح میں اس وقت تک نبوت عطا کی گئی، نہ کسی رسول علیہ السلام کو شعور رسالت سے بہرہ ور کیا گیا۔ جب تک کہ اسے نبوت و رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شعور نہیں دے دیا گیا بلکہ ہر نبی کو نبوت و رسالت کے اقرار و اِدراک سے بھی پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرایا گیا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر نبی کو پہلے نبوتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ضروری تھا، اور اس ایمان لانے کے توسّل اور توسّط کے طفیل حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو منصبِ نبوت پر فائز کیا گیا۔اسی لئے امام بوصیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بحر جود و سخا سے انبیاء علیہم السلام بھی دامنِ مراد بھرتے ہیں:

وَ كُلُّهُمُ مِنُ رَسُوُلِ اللهِ مُلُتَمِسٌ
غَرُفًا مِنَ الُبَحُرِ اَوُ رَشُفًا مِنَ الدِّيَمِ (۱)

(تمام انبیاء علیہم السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بحرِ کرم و عطا اور ابر رحمت سے چلو بھر یا مانندِ قطرۂ آب کے خواستگار ہیں۔)

اس واسطۂ عظمٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کر کے ہی انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک اپنی اپنی نبوت سے سرفراز ہوئے۔ انہیں یہ نعمتِ رسالت عمومی حیثیت سے نہیں ملی تھی بلکہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایانِ شان تمام ارواحِ انبیاء کرام علیہم السلام کی مجلس منعقد فرمائی اور سب سے وعدہ لے کر نہ صرف انہیں ایک دوسرے کا شاہد بنایا بلکہ خود کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے گواہوں میں شامل ہونے کا اعلان فرما دیا۔

۳۔ عالم دنیا اور واسطۂ رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عالمِ دنیا میں جب اللہ پاک نے اشرف المخلوقات یعنی انسان کی تخلیق کا آغاز

(۱) بوصیری، قصیدۃ بردۃ

فرمایا تو سیدنا آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، پھر انہیں مسجودِ ملائکہ بنایا اور انہیں حقائقِ اشیاء کا علم عطا فرما کر فرشتوں پر فضیلت عطا کی۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اس برگزیدہ بشر اول کو نبوت کی نعمت سے سرفراز فرما کر آپ کو جنت میں ٹھہرایا۔ وہاں قدرت کی طرف سے آپ کو ایک امتحان میں ڈالا گیا جس کے نتیجے کے طور آپ کو جنت سے زمین پر اتار دیا گیا، یہ سارے واقعات قرآن حکیم میں بالتفصیل بیان ہوئے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی پھر اس کو معاف کیا گیا لیکن یہ معافی انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطۂ جلیلہ کے طفیل نصیت ہوئی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب أسألک بحق محمد لما غفرت لی، فقال الله: يا آدم، و کيف عرفت محمداً ولم أخلقه؟ قال: يا رب لأنک لما خلقتنی بيدک، و نفخت فيَّ من روحک، رفعت رأسي فرأيت علی قوائم العرش مکتوبًا: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمت أنک لم تضف إلی اسمک إلا أحبّ الخلق إليک، فقال الله تعالیٰ: صدقت يا آدم، إنه لأحب الخلق إليّ، و إذ سألتنی بحقّه فقد غفرت لک، و لولا محمد ما خلقتک۔(۱)

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۶۷۲، رقم: ۴۲۲۸

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۶: ۳۱۳، رقم: ۶۵۰۲

اس روایت کو ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸: ۲۵۳) میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق الکبیر (۷: ۴۳۷) میں، ابن کثیر نے البدایة والنهایة، (۱: ۸۱) میں، سیوطی نے الخصائص الکبریٰ، (۱: ۱۲) اور الدر المنثور (۱: ۱۴۲) میں حلبی نے السیرة الحلبیة (۱: ۳۵۵) میں اور قسطلانی نے المواهب اللدنیة (۱: ۸۲) میں روایت کیا ہے۔

’’جب حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے بارگاہِ اُلوہیت میں عرض کیا کہ اے پروردگار! میں تجھ سے بواسطۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما دے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ ابھی میں نے ان کو (دنیا میں) پیدا بھی نہیں کیا؟ عرض کیا: اے میرے رب! میں نے انہیں اس طرح پہچانا کہ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی طرف سے میرے اندر روح پھونکی، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا: **لَا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**۔ سو میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے مقدس نام کے ساتھ ایسی ہستی کے نام کو ملایا ہے جو تیرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیاری ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے صحیح سمجھا، واقعی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔‘‘

۴۔ عالمِ برزخ اور واسطۂ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابتدائے کائنات سے اختتام تک ہر مرحلۂ حیات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ ہونا صحیح اَحادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ عالمِ اَمر اور دنیا میں جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واسطہ ہیں اسی طرح عالم برزخ میں بھی واسطۂ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناگزیر ہے۔ یعنی قبر میں نجات بھی واسطۂ رسالت کے بغیر نہیں مل سکتی۔ عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قبر میں تین سوالات پوچھے جائیں گے (۱) بتا تیرا رب کون ہے؟ (۲) تیرا دین کیا ہے اور آخر میں تیسرا سوال ہوگا (۳) اس ہستی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ محققین علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے دو سوالات کے جوابات درست دے بھی دے لیکن اگر تیسرا جو لازمی سوال ہے اس میں ناکام رہا تو پھر دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔ احادیثِ

مبارکہ سے اس بات کی قطعی تائید ملتی ہے۔ بخاری شریف اور دیگر کتب صحاح میں بشمول مسند احمد بن حنبل میں اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مبارکہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ قبر میں فیصلہ کن سوال صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہوگا۔ ان کتب میں صرف ایک سوال کا ذکر ہے جو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان کے بارے میں ہوگا اور یہی نجات کی شرط اور واسطہ ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ، فَيَقُوْلَانِ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ لِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وآله وسلم، فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُاللهِ وَرَسُوْلُهُ. فَيُقَالُ لَهُ: أُنْظُرْ إِلَى مَقْعَدِکَ مِنَ النَّارِ، قَدْ أَبْدَلَکَ اللهُ بِهِ مَقْعَداً مِنَ الْجَنَّةِ، فَيَرَاهُمَا جَمِيْعاً. قَالَ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَ الْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِي! كُنْتُ أَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ! فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً، فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ. (۱)

’’بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے لواحقین واپس چلے

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، ۱: ۴۶۲، رقم: ۱۳۰۸،

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب التی يصرف بها فی الدنيا أهل الجنة وأهل النار، ۴: ۲۲۰۰، رقم: ۲۸۷۰

۳۔ أبوداود، السنن، کتاب السنة، باب فی المسألة في القبر وعذاب القبر، ۴: ۲۳۸، رقم: ۴۷۵۲

جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر کہتے ہیں: تو اس شخص یعنی (سیدنا محمد ﷺ) کے متعلق (دنیا میں) کیا کہا کرتا تھا؟ اگر مومن ہو تو کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس سے کہا جائے گا: (اگر تو ایمان نہ لاتا تو تیرا ٹھکانا جہنم میں ہوتا) جہنم میں اپنے اس ٹھکانے کی طرف دیکھ! اللہ تعالیٰ نے تجھے (نیک اعمال کے سبب) اس کے بدلے جنت میں ٹھکانا دے دیا ہے۔ پس وہ دونوں کو دیکھتا ہوگا، اور اگر منافق یا کافر ہو تو اس سے پوچھا جائے گا: تو اس شخص (یعنی سیدنا محمد ﷺ) کے متعلق (دنیا میں) کیا کہا کرتا تھا؟ وہ کہتا ہے: مجھے تو معلوم نہیں، میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ اس سے کہا جائے گا: تو نے نہ جانا اور نہ پڑھا۔ اسے لوہے کے گُرز سے مارا جائے گا تو وہ (شدت تکلیف سے قبر میں) چیختا چلاتا ہے جسے سوائے جنات اور انسانوں کے سب قریب والے سنتے ہیں۔''

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا: الْمُنْكَرُ، وَ الآخَرُ: النَّكِيْرُ، فَيَقُوْلَانِ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ: مَا كَانَ يَقُوْلُ: هُوَ عَبْدُ اللهِ وَ رَسُوْلُهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ، فَيَقُوْلَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّکَ تَقُوْلُ هَذَا، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِيْنَ، ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيْهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: نَمْ، فَيَقُوْلُ: أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ؟ فَيَقُوْلَانِ: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِي لَا يُوْقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ، حَتَّى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِکَ وَ إِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ:

سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ لَا أَدْرِي فَيَقُوْلَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ، فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ الْتَئِمِي عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ فِيْهَا أَضْلَاعُهُ فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ.(۱)

’’جب میت کو یا تم میں سے کسی ایک کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے نیلگوں آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ وہ دونوں اس میت سے پوچھتے ہیں۔ اس عظیم ہستی (رسولِ مکرم ﷺ) کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ شخص وہی بات کہتا ہے جو دنیا میں کہا کرتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ﷺ ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بیشک حضور نبی اکرم ﷺ اس کے (خاص) بندے اور رسول ہیں۔ فرشتے کہیں گے ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا پھر اس کی قبر کو لمبائی و چوڑائی میں ستر ستر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے اور نور سے بھر دیا جاتا ہے پھر اسے کہا جاتا ہے: (آرام سے) سو جا، وہ کہتا ہے میں واپس جا کر گھر والوں کو بتا آؤں۔ وہ کہتے ہیں نہیں، (اب تو نئی نویلی) دلہن کی طرح سو جاؤ، جسے گھر والوں میں سے اسے محبوب ترین شخص ہی اٹھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (روزِ محشر) اُسے اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا اور اگر وہ شخص منافق ہو تو (سوالات کے نتیجے میں) کہے گا: میں نے ایسا ہی کہا جیسا میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا، میں نہیں جانتا (وہ صحیح تھا یا غلط)۔ پس وہ دونوں فرشتے کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ تم ایسا

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الجنائز، باب: ما جاء في عذاب القبر، ۳: ۳۸۳، رقم: ۱۰۷۱

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۷: ۳۸٦، رقم: ۳۱۱۷

ہی کھو گئے۔ پس زمین سے کہا جائے گا کہ اس پر تنگ ہو جا پس وہ اس پر اکٹھی ہو جائے گی یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں داخل ہو جائیں گی وہ مسلسل عذاب میں مبتلا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس ٹھکانے سے اٹھائے گا۔‘‘

مذکورہ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ قبر میں حضور نبی اکرم ﷺ کی پہچان کا لازمی سوال ہو گا اور اس میں کامیابی ہی نجات کا باعث ہو گی۔ معلوم ہوا کہ عالم برزخ میں نجات کا واسطہ و وسیلہ بھی ذات رسالت مآب ﷺ ہی ہیں پس جو شخص دنیا میں ذات رسالتمآب ﷺ سے اپنا تعلق مضبوط کرے گا اسے عالم برزخ میں بھی اسی واسطہ کے باعث نعمتوں بھرا جنت کا ٹھکانا نصیب ہو گا۔

۵۔ عالم حشر اور واسطۂ رسالت ﷺ کی ناگزیریت

قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ روز قیامت بھی شدت تکلیف میں تمام لوگ جمع ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آئیں گے اور آپ ﷺ کو حضورِ الٰہ میں واسطہ شفاعت بناتے ہوئے عرض کریں گے کہ ہمارے لیے اللہ کریم کے حضور سفارش کریں تاکہ حساب و کتاب کا مرحلہ جلدی شروع ہو اور ہم اس جان لیوا تکلیف سے نجات پائیں۔ اس روز رب ذوالجلال آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔ یہ وہ اعلیٰ اور ارفع مقام ہے جو صرف آپ ﷺ کی شان نبوت کے لیے مختص ہے چنانچہ آپ ﷺ کے اس مقام و مرتبہ پر فائز ہونے سے جمیع امم کو فائدہ ہو گا۔ آپ ﷺ لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے اور آپ ﷺ کے واسطۂ عظمیٰ سے لوگوں کو نجات ملے گی۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (۱)

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۹

’’یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے) پر فائز فرمائے گا۔‘‘

احادیثِ متواترہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ ﷺ کی خاطر حساب و کتاب شروع فرمائے گا۔ چند احادیث ذیل میں ملاحظہ کریں۔

حضرت آدم بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ النَّاسَ يَصِيرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُثاً، كُلُّ أُمَّةٍ تَتْبَعُ نَبِيَّهَا يَقُولُونَ: يَا فُلَانُ اشْفَعْ، يَا فُلَانُ اشْفَعْ حَتَّى تَنْتَهِيَ الشَّفَاعَةُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَلِكَ يَوْمَ يَبْعَثُهُ اللهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ. (۱)

’’روزِ قیامت سب لوگ گروہ در گروہ ہو جائیں گے۔ ہر امت اپنے اپنے نبی کے پیچھے ہوگی اور عرض کرے گی: اے فلاں! شفاعت فرمایئے، اے فلاں! شفاعت کیجئے یہاں تک کہ شفاعت کی بات حضور نبی اکرم ﷺ پر آ کر ختم ہو گی۔ پس اس روز شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُو يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصفَ الْأُذُنِ فَبَيْنَاهُمْ كَذَلِكَ اسْتَغَاثُوا بِآدَمَ، ثُمَّ بِمُوسَى، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ. (۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله: عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا، ۴: ۱۷۴۸، رقم: ۴۴۴۱

۲۔ النسائی، السنن الکبری، سورة الإسراء، ۶: ۳۸۱، رقم: ۲۹۵

’’قیامت کے روز سورج لوگوں کے بہت قریب آ جائے گا یہاں تک کہ پسینہ نصف کانوں تک پہنچ جائے گا لوگ اس حالت میں (پہلے) حضرت آدم علیہ السلام سے مدد مانگنے جائیں گے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، اور بالآخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگیں گے۔‘‘

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس کائناتِ ہست و بود کے ہر مرحلے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ ہے۔ یہ کائنات اپنے وجود اور ارتقاء میں اسی واسطۂ جلیلہ کی محتاج ہے۔ ایمان کا سفر بھی از اوّل تا آخر ہر ہر لمحہ واسطۂ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستنیر ہے۔ انسان اپنے آغاز سے انجام تک اور قبر سے حشر تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے ممتاز اور مشرف ہوگا۔ کفر اور ایمان کے درمیان جاری زندگی کے حسین انجام کا فیصلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کی بنیاد پر ہوگا۔

www.MinhajBooks.com

باب دُوُم

واسطۂ رِسالت ﷺ کی دینی اَہمیت

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

گزشتہ صفحات میں جس طرح ہم اس حقیقت سے روشناس ہوئے کہ عالمِ امر سے عالمِ خلق تک اور عالمِ ارواح سے عالمِ حشر تک، انبیاء و رسل ہوں یا عام انسان، ہر کسی کو حسبِ حال ہر اہم مرحلے پر واسطہ رسالتِ محمدی ﷺ سے اکتسابِ فیض کی ضرورت پڑتی رہی اور پڑتی رہی گی۔ جس طرح ہر موڑ پر اور ہر قدم پر نظام قدرت کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محتشم رسولِ معظم نبیٔ اکرم ﷺ کا واسطۂ جلیلہ باعثِ نجات و برکت بنایا ہے بالکل اسی طرح مسلمان ایمان کے حصول سے لیکر اسکی حفاظت و اِرتقاء اور اعمال و افعال کی قبولیت تک، ہر لمحہ رسول اللہ ﷺ کے توسُّط، توسُّل اور تعلقِ محبت کا محتاج ہے۔ ذیل میں ہم اس کی مزید تفصیلات زیرِ بحث لاتے ہیں۔

۱۔ واسطۂ رسالت ﷺ کے بغیر توحید ایمان نہیں بن سکتی

قرآنِ مجید میں کفار و مشرکین کے تصورِ توحید اور وجودِ باری تعالیٰ سے متعلق ان کے عقیدے کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ج فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ○ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ○ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ م بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ○ (۱)

---

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۶۱-۶۳

''اور اگر آپ اِن (کفّار) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے تابع فرمان بنا دیا تو وہ ضرور کہہ دیں گے اللہ نے، پھر وہ کدھر الٹے جا رہے ہیںo اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے، اور جس کے لئے (چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہےo اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اُتارا پھر اس سے زمین کو اس کی مُردنی کے بعد حیات (اور تازگی) بخشی تو وہ ضرور کہہ دیں گے اللہ نے، آپ فرما دیں: ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر (لوگ) عقل نہیں رکھتےo''

اِن آیاتِ مبارکہ سے پتہ چلا کہ کفار کا عقیدۂ توحید چونکہ خودساختہ اور اِقرارِ رسالت سے خالی ہے اس لیے وہ ایمان نہیں بن سکتا کیونکہ توحید بننے کے لئے واسطۂ رسالت شرط ہے۔ وہ عقیدہ جو واسطۂ رسالت سے حاصل ہو وہی ایمان بنتا ہے جیسے سورۂ نجم میں فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ط o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی o لا (۱)

''اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔''

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے کلام کرنے کو کسی ذاتی خواہش سے مبرا قرار دیا اور فرمایا کہ جو کچھ آپ ﷺ اپنی زبانِ حق ترجمان سے بیان کرتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔ ان پر جو وحی نازل ہوتی ہے اسے وہ من وعن آگے منتقل (communicate) کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام و پیغام پہنچانے کے لئے آپ ﷺ کی نبوت کو واسطہ بنایا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) النجم، ۵۳: ۳۔۴

وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ.(۱)

’’اور (جو لوگ) اس (کتاب) پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے اللہ نے ان کے گناہ ان (کے نامۂ اعمال) سے مٹا دیئے اور ان کا حال سنوار دیا۔‘‘

یہاں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے ایک معیارِ ایمان قائم کر دیا وہ یہ کہ جو کچھ اس نے اپنے محبوب محمد ﷺ پر نازل کیا وہی حق ہے اور جو گفتۂ حق انہوں نے اپنی زبان سے بیان کر دیا ’’وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ‘‘ (وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے) اور حق بات کے سوا اور کچھ نہیں جس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے کہ زبانِ رسالت مآب ﷺ سے سوائے وحی الٰہی کے اور کوئی بات صادر نہیں ہوئی۔

۲۔ ہدایت پر استقامت کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

جس طرح ہدات پانے کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ کی ضرورت ہے اسی طرح ہدایت پر قائم رہنے اور استقامت حاصل کرنے کے لئے بھی بارگاہِ اُلوہیت میں صرف ایک واسطہ اور ذریعہ ہے اور وہ ہے واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا:

وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ أَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ط وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللهِ فَقَدْ هُدِىَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo(۲)

’’اور تم (اب) کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں (خود) اللہ کے رسول (ﷺ) موجود

(۱) محمد، ۴۷: ۲

(۲) آل عمران، ۳: ۱۰۱

ہیں، اور جو شخص اللہ (کے دامن) کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔‘‘

یہ آیتِ کریمہ بھی توسّط پر دلالت کرتی ہے۔ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسا واسطہ اور ذریعہ ہیں جس کی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر راہِ ہدایت کی روشنی عطا فرماتا ہے ۔ جبکہ وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ کفر کی طرف پلٹ کرنہ جانا بھی رسول ﷺ کے وسیلہ اور واسطہ سے ہے۔ یعنی ہدایت بھی اگر ملتی ہے تو رسول ﷺ کے وسیلہ سے اور اس ہدایت پر استقامت بھی اگر ملتی ہے تو رسول ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ سے۔ اللہ تعالیٰ قادر و قیوم ہے۔ وہ براہِ راست ہدایت دے سکتا ہے مگر جب وہ خود فرماتا ہے کہ وہ رسول ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ سے ہمیں ہدایت پر قائم رکھے گا تو اس سے ہمارے لئے یہی ثابت ہوا کہ واسطۂ رسالت ﷺ ہی ہمارے لئے دین و دنیا میں ڈھال ہے۔ دنیا میں کفر کے ارتکاب سے اور آخرت میں عذابِ جہنم سے۔

سورۂ انفال میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○(۱)

’’اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امت سے عذاب ٹال دینے کی دو وجوہات

(۱) الانفال، ۸: ۳۳

بیان فرمائیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی ان میں موجودگی

۲۔ اللہ تعالیٰ سے طلبِ مغفرت

سب سے پہلے امت کے اندر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کو عذاب سے ڈھال قرار دیا۔ اس کے بعد اپنے حضور طلبِ مغفرت کو عذاب ٹلنے کا سبب فرمایا۔ بارگاہِ اُلوہیت میں طلبِ مغفرت سے بھی مقدم رسول ﷺ کا واسطہ بیان کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب تک رسول ﷺ موجود ہیں ان کے وسیلہ سے امت پہ عذاب نہیں آ سکتا۔ بعض لوگ اس سے ظاہری حیاتِ طیبہ مراد لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ درست نہیں۔ یہاں بالکل ایسی کوئی بات نہیں کہ ظاہری حیاتِ مبارکہ میں تو توسّل جائز ہو اور بعد از ممات ناجائز ہو جائے بلکہ یہاں مطلقاً آپ ﷺ کی موجودگی کا ذکر ہے کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک قائم ہے اور آپ ﷺ کا واسطہ اور وسیلہ بھی حیاتِ ظاہری کی طرح اب بھی جائز ہے۔

۳۔ حصولِ تقویٰ کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

تمام عباداتِ الٰہیہ کا مقصد حصولِ تقویٰ ہے، جیسے رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیّت کا مقصد بیان فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَo(۱)

”اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤo“

(۱) البقرہ، ۲: ۱۸۳

لیکن یہ تقویٰ کیسے حاصل ہو؟ انسان کیسے متقی بن سکتا ہے؟ اگر تقویٰ تمام نیکیوں کی اصل ہے تو اس سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ ذہن سے اٹھنے والے ایسے سوالات کا جواب ہمیں قرآن حکیم کی اس ایک آیت سے مل جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○ (۱)

’’اور جو شخص سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ ہی تو متقی ہیں○‘‘

اس آیتِ کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے اکثر مفسرین نے بالاتفاق اَلَّذِیْ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی مراد لی ہے۔ یہاں بطورِ استشہاد چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں ’’وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ‘‘ کے تحت مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور ابنِ زید سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ هو رسول الله ﷺ. (۲)

’’وہ ذات جو صدق لے کر آئی اس سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔‘‘

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اسی طرح توضیح فرمائی ہے۔

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ النبی ﷺ ﴿وَصَدَّقَ بِهٖ﴾ أبو بکر رضی اللہ عنہ. (۳)

’’یعنی اَلَّذِیْ سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ اور صَدَّقَ به سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔‘‘

(۱) الزمر، ۳۹:۳۳

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۵۴

(۳) سیوطی، الدر المنثور، ۷:۲۸۸

اہلِ علم جانتے ہیں کہ "اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ" کلمۂ حصر ہے، قرآن حکیم تقویٰ کے مفہوم کو متعین کرنے کے بعد ان کلمات کو بطورِ حصر لا کر میعارِ تقویٰ کو واضح کرتے ہوئے یہاں ایک شرط لگا رہا ہے، جس کو پورا کئے بغیر کوئی شخص بھی تقویٰ کا دعویدار نہیں ہوسکتا۔ جو اس شرط کو پورا کرے گا وہی متقی ہوگا اور جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ اگر عبادت و ریاضت کے پہاڑ بھی اپنے کندھوں پر اٹھاتا پھرے، متقی نہیں بن سکتا۔

تقویٰ کی شرط

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی شرط ہے جس پر تقویٰ کا انحصار ہے ارشاد فرمایا گیا: اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ، وہ ذاتِ محمدی ﷺ جو سچائی لے کر آئی اور جس نے اس سچائی کی تصدیق کی، اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ، وہی متقی ہیں۔ جیسا کہ اوپر تفصیلاً ذکر ہو چکا کہ اس آیت کے پہلے حصے سے مراد تو آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ "اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ" میں بھی آپ ﷺ شامل ہیں کیونکہ نبی خود بدرجہ اولیٰ اپنی نبوت کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ تفاسیر میں اس آیت کے تحت اس کی بھی وضاحت ملتی ہے مثلاً تفسیر روح البیان میں ہے۔

ودلت الاٰية على انّ النبی علیہ السلام يصدق أيضاً بما جاء بهٖ من عند الله ويتلقاه بالقبول كما قال الله تعالیٰ: "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ. (البقرہ، ۲: ۲۸۵) (۱)

"یہ آیتِ کریمہ اس بات کی شاہد ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی اس حقیقت کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں، جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرحمت فرمائی گئی، اور آپ ﷺ بھی (دوسروں کی طرح) اس پر ایمان لائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "(وہ) رسول (ﷺ) اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی

(۱) إسماعيل حقی، تفسير روح البيان، ۸: ۱۰۸

تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔‘‘

مگر توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ کو متقی کہنا آپ ﷺ کے کمال کا اظہار ہے؟ آیتِ مبارکہ کا مدعا یہاں ہرگز یہ نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی ذآتِ بابرکات تو متقی گر ہے۔ آپ ﷺ تو تقویٰ کی دولت تقسیم فرماتے ہیں بلکہ آپ ﷺ تقویٰ کی وہ بنیاد لے کر زینت آراء بزمِ کون ومکاں ہوئے جس سے خود تقویٰ کو وجود ملا۔ لہٰذا یہاں بات اُس شخص کی ہورہی ہے جو اس سچائی کو بہ دل و جان تسلیم کرے گا اور اس کی تصدیق کرے گا۔

تصدیق کیا ہے؟

اب لفظِ صدق پر غور کرنے سے اس شرط کی نوعیت اور ضرورت مزید واضح ہوجائے گی۔ تصدیق عربی لفظ ’’صَدَقَ‘‘ سے باب تفعیل کے وزن پر ہے۔ اس کے معنٰی ’’دل کی گہرائیوں سے کسی چیز کو تسلیم کرلینے اور مان لینے کے ہیں۔ مفردات غریب القرآن، میں امام راغبؒ نے صدق کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

الصِّدْقُ مُطابقةُ القَوْلِ الضمير والمخبرعنه معاً.ومتٰی انحرم شرط من ذالک لم یکن صِدْقًا تاماً. (۱)

’’صدق کے معنی ہیں دل و زبان کی ہم آہنگی اور بات کا نفسِ واقع کے مطابق ہونا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو کامل صدق باقی نہیں رہتا۔‘‘

لہٰذا، اس سچائی کو اس حیثیت سے ماننا ہی حقِ تقویٰ ہے۔ بالکل اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے ایک دوسرے مقام پر واضح کیا اور تقویٰ کو تصدیق کرنے والوں کے ساتھ مختص کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) راغب الأصفہانی، المفردات فی غریب القرآن: ۲۷۷

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْاط وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○(۱)

’’یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں○‘‘

توضیحات بالا سے یہ واضح ہوا کہ آیتِ متذکرہ میں اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ جن افراد نے میرے محبوب ﷺ کی لائی ہوئی سچائی کی بلا تامل تصدیق کر دی وہی صحیح معنوں میں متقی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں بزرگی پائے ہوئے ہیں یہی وہ شرط ہے جو تقویٰ کے لئے ضروری ہے۔ معلوم ہوا حصولِ تقویٰ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی تصدیق اور ان پر ایمان بنیادی چیز ہے۔

۴۔ محبتِ الٰہی کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

تقویٰ کا ماحصل رضائے الٰہی کا حصول ہے اور یہی انسانی زندگی کا نصب العین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کے بغیر انسان کو اس کا قرب و رضا میسر نہیں آ سکتا۔ قرآن مومنین کی علامت بیان کرتے ہوئے یہ شہادت فراہم کر رہا ہے کہ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِط(۲)

’’اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔‘‘

لیکن کیا قرآن اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا طریقہ یا راستہ بھی بتاتا ہے یعنی کوئی آدمی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہے تو اس کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے؟ قربان جائیں قرآن کی عظمت پر جو قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے، فرمایا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللهُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْط

(۱) البقرہ، ۲: ۱۷۷

(۲) البقرہ، ۲: ۱۶۵

وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○ (۱)

''(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیتِ کریمہ سے بے شمار مفاہیم اور حکمتیں مترشح ہیں لیکن یہاں سرِدست یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ

- اگر کوئی یہ دعویٰ رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرکے اس کی رضا حاصل کرے اور اس کے قرب و وصال کی لذتوں سے لطف اندوز ہونا چاہے کہ یہی مقصود بندگی ہے تو یہ صرف اور صرف واسطۂ رسول ﷺ سے مشروط ہے۔
- حضور نبی اکرم ﷺ کی کامل اتباع اور تعلقِ غلامی انسان کو محبّ کے مقام سے اٹھا کر محبوبِ الٰہی بنا دیتی ہے۔
- حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطۂ اطاعت میں آنے سے پہلے انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتا تھا مگر جب غلامی اختیار کرلی تو اب نہ صرف محبت کرنے لگا بلکہ اس کا محبوب بن گیا اور اللہ جل مجدہ اس انسان کا محبّ بن گیا۔ کہاں وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی خواہش کرتا تھا اور کہاں یہ مقام جہاں خدا خود اس کا محبّ بن کر ہر آن اس کی رضا چاہتا ہے؟ پھر وہ بندہ صرف بندہ نہیں، عبدہٗ اور محبّ نہیں بلکہ محبوب بن جاتا ہے۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

کیا یہ سب رفعتیں، عظمتیں اور بندہ نوازیاں حضور نبی اکرم ﷺ سے جبی تعلق

(۱) آلِ عمران، ۳: ۳۱

اور توسط کا ثمر نہیں ہیں؟ یقیناً ہیں۔

۵۔ اطاعتِ الٰہی کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

محبتِ الٰہی بندے سے اطاعتِ الٰہی کا تقاضا کرتی ہے۔ تقویٰ کے عمومی تصور کے مطابق اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی تقویٰ ہے۔ قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر اطاعتِ الٰہی کی تلقین فرمائی ہے اور اس کو کامیابی کی شرط قرار دیا ہے۔

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا:

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ ط(۱)

”اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“

اس آیتِ کریمہ میں رسولوں کی بعثت کا سبب بیان کیا گیا ہے جو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ تاکہ اللہ کے حکم سے جو کچھ وہ کہیں اسے مانا جائے اور قبول کیا جائے اور ان کی اطاعت کی جائے۔ اس آیتِ کریمہ میں اس تصور کو ذہن میں راسخ کیا گیا ہے کہ نبی اور رسول علیہم السلام ہی اللہ تعالیٰ کی بات انسانوں تک پہنچانے کیلئے درمیانی واسطہ اور ذریعہ مقرر کئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے اذن سے لوگوں تک پہنچائیں اور وہ جو کہیں اس کو سچ مانا جائے اور اس پر عمل کیا جائے کیونکہ وہی حق ہے۔ رسولوں کی جماعت اللہ کو جاننے، ماننے اور ایمان لانے کا واحد ذریعہ (Source) ہے، گویا توحید اور ایمان باللہ کا تحقق صرف اور صرف نبوت و رسالت کے واسطے سے ہوتا ہے۔

۲۔ وَ اَطِيْعُوا اللهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○(۲)

(۱) النساء، ۴: ۶۴

(۲) آل عمران، ۳: ۱۳۲

''اور اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائےo''

۳۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُo(۱)

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے اسے وہ بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گےاور یہ بڑی کامیابی ہےo''

۴۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَo(۲)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا اور اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے پس ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیںo''

۵۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًاo(۳)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرتا ہےتو بیشک وہ بڑی کامیابی سے سرفراز ہواo''

مندرجہ بالا آیاتِ بینات سے جہاں اللہ تعالیٰ کے مطلق اطاعت کی فرضیّت واضح ہورہی ہے وہاں ساتھ ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا بھی ذکر ہے اور کامیابی تب ممکن ہے جب دونوں اطاعتیں مکمل ہوں۔

(۱) النساء، ۴: ۱۳

(۲) النور، ۲۴: ۵۲

(۳) الاحزاب، ۳۳: ۷۱

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی واضح الفاظ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کو ہی اپنی اطاعت قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ.(۱)

''جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔''

یہاں رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیے جانے کا مقصد یہ بتایا گیا کہ ان کی اطاعت کی جائے اور ان کی بات کو مانا جائے تبھی ایمان نصیب ہوتا ہے۔ اس کے بعد خصوصی طور پر اطاعت رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی یا جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس آیتِ مبارکہ نے ایک بڑی قرآنی حقیقت (Quranic fact) کو یہ کہہ کر متحقق کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا بلاواسطہ ذریعہ سوائے واسطۂ رسالت کے اور کوئی نہیں ہے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو تو یہ سمجھ کر کیا کرو کہ ہم صرف رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کرتے، بلکہ یہی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تصور حضور نبی اکرم ﷺ کی اِطاعت کے بغیر محض ایک مجرد خیال (Abstract idea) رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ ﷻ پیکرِ محسوس نہیں ہے۔ نہ تو اس کی بات کسی کو سنائی دیتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا فعل کسی کو دکھائی دیتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم (اطاعت) پر عمل اسی طرح ہوسکتا ہے کہ بس اسی طرح آنکھیں بند کرکے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و غلامی کی جائے یہ جانتے ہوئے کہ آپ ﷺ کی اطاعت عین اطاعتِ الٰہی ہے اور آپ ﷺ سے بغاوت و سرکشی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے بغاوت و سرکشی ہے۔ حدیثِ صحیح کے الفاظ اس حقیقت کی مکمل ترجمانی کرتے ہیں، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) النساء، ۴: ۸۰

فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصٰی مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ عَصَی اللهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ.(۱)

’’جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی (اچھے اور برے) لوگوں کے درمیان معیارِ امتیاز ہے۔‘‘

حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ بڑے اچھوتے اور خاص انداز میں حضور ﷺ کی اطاعت و پیروی کو ذاتِ الٰہی تک رسائی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

عاشقی! محکم شو از تقلیدِ یار ﷺ
تا کمندِ تو شود یزداں شکار

(اے خدا سے عشق و محبت کا دعویٰ کرنے والے! حضور نبی اکرم ﷺ سے رابطہ و غلامی اور اطاعت کے رشتے میں پختگی پیدا کر، تاکہ ان کی غلامی کے ذریعے تیری کمندِ عشق بارگاہِ خداوندی تک پہنچ سکے۔)

بارگاہِ رسالت ﷺ سے اعراض علامتِ نفاق ہے

قرآنِ مجید میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ سے وابستگی پر اَجر و ثواب کا ذکر ہوا ہے جبکہ درِ رسالت ﷺ پر اپنی جبیں ہائے نیاز نہ جھکانے والوں اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے عمداً دوری اختیار کرنے والوں کی مذمت میں ارشاد فرمایا گیا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ○(۲)

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب اقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، ۶: ۲۶۵۵، رقم: ۶۸۵۲

(۲) النساء، ۴: ۶۱

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آجاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیںo‘‘

یعنی جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی اور حضور نبی اکرم ﷺ سے نسبتِ غلامی استوار کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے تو ان میں منافق لوگ بارگاہِ اُلوہیت میں جانے سے تو انکارنہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو حق تسلیم کرتے ہیں لیکن ’’یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا‘‘ صرف آپ ﷺ کی بارگاہ میں آنے سے اعراض اور پس و پیش کرتے ہیں۔ بس اسی وجہ سے ان کے گلے میں منافقت کا طوق پہنا دیا گیا ہے۔

اس آیت میں مسلمان اور منافق کی پہچان کا کلیہ اور قاعدہ متعیّن فرما دیا۔ بارگاہِ رسالت ﷺ سے بھاگنے والے اگر بارگاہِ اُلوہیت میں جانا چاہیں تو یہ ناممکن ہے کیونکہ:

تیرے در سے جو یار پھرتے ہیں
در بدر یونہی خوار پھرتے ہیں!

لیکن جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آجائے وہ خود بخود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ تو ہے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ۔

۶۔ گناہوں کی بخشش و مغفرت کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

قبل ازیں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ ہیں۔ اس واسطہ سے انحراف برتتے ہوئے ذاتِ خداوندی تک رسائی ہرگز ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے در سے پھرنے والوں کو اسی لیے تو منافق گردانتا ہے کہ وہ اس ذات کے واسطے کو فراموش کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ تعلق بحال کرنا چاہتے ہیں۔ جس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی خبر دی اور اس کی واحدانیت اور شانِ خالقیت سے متعارف کرایا اس کے ساتھ تعلق قائم کرنا اگر توحید کے منافی ہے تو پھر ایسے لوگوں کو

اپنے ایمان اور اسلام کی فکر کرنی چاہیئے۔

اللہ رب العزت ان کے اس زعمِ باطل کو رد کر دیا کہ نہیں محبوب! جو تیری بارگاہ میں جھکنے سے گریزاں ہے وہ میری بارگاہ میں روزانہ سجدے کرتا پھرے، ساری ساری رات عبادت کرتا رہے اور شب و روز ریاضتیں، مجاہدے اور تسبیحات کرتا رہے اور پوری زندگی دین کے نام پر ختم کر دے، اس کا وہ دین دین نہیں جس میں تیری نسبت و تعلق اور واسطے کا سبق نہ ہو۔ ان کی عبادتیں عبادت نہیں جو تیری محبت سے خالی ہوں۔ اور ان کی شب بیداریوں کا کوئی فائدہ نہیں جو تیری یاد میں آنکھوں کو اشکوں سے باوضو نہ رکھیں۔ یعنی جب تک وہ تیری بارگاہ میں سرِ تسلیم خم نہیں کرتے، ان کا شجرِ ایمان بے ثمر رہے گا۔ ان کی نیکیوں کی قیمت بھی تیری غلامی کی تصدیق سے پڑے گی۔ یہاں تک کہ وہ اگر اپنے گناہوں کی معافی بھی براہِ راست مجھ سے مانگیں گے تو اس وقت تک انہیں نہیں بخشوں گا، جب تک وہ تجھ سے غلامی کا رشتہ استوار نہ کرلیں۔ اس کی گواہی قرآن دے رہا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا٥ (۱)

”اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے٥“

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنوں کو ان کے گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت کے لئے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں آ کر آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنے اور آپ ﷺ کو واسطہ بنانے کا حکم دیا ہے۔

(۱) النساء، ۴: ۶۴

جَآءُوْکَ کا مفہوم

مذکورہ آیتِ کریمہ میں لفظ ''جَآءُ وْ کَ'' کے ذریعے یہ واضح کردیا گیا کہ بارگاہِ رِسالت ﷺ قیامت تک لائقِ تعظیم و تکریم ہے۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے خطا کاروں کو آج بھی معافی اسی در سے تعلق اور واسطہ استوار کرنے سے ملتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کا یقین رکھتے ہوں۔ جو بھی دامنِ مصطفیٰ ﷺ کی طرف متوجہ ہوگا، خواہ وہ ظاہراً بارگاہِ نبوت ﷺ کی حاضری میں ہو یا باطناً، محبت و عشق رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے ہو، یا اطاعت و اتباع رسول ﷺ کے ذریعے توسلاً اور توجہاً، سب صورتیں ''جاءُوْ ک'' کے تحت واسطۂ رسالت ﷺ کی تعبیریں ہیں کیونکہ

یہ گھر یہ دَر ہے اس کا جو گھر در سے پاک ہے
مژدہ ہو بے گھرو کہ صلا اچھے گھر کی ہے!
مجرم بلائے، آتے ہیں ''جاءُوْکَ'' ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

یہ آیتِ کریمہ صرف آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری تک محدود نہیں بلکہ بعد از وصال بھی اس کا حکم اسی طرح باقی ہے جس طرح ظاہری حیاتِ طیبہ میں تھا۔ مفسرینِ کرام اور ائمہ حدیث نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔(اس کی تفصیل ہماری کتاب عقیدۂ توسّل میں ملاحظہ کریں۔)

قابلِ غور نکتہ

یاد رہے کہ اس آیتِ کریمہ میں ظلم سے مراد گناہ، نافرمانی اور اللہ تعالیٰ سے سرکشی ہے۔ ظاہر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں گویا مرادی معنی یہ ہوا کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کو ناراض کردیں تو معافی کے لئے تیرے پاس آئیں۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس کو ناراض کیا گیا اب راضی کرنے بھی اس کی بارگاہ میں جانا چاہیے مثلاً اگر کوئی زید کو ناراض کردے اور معافی مانگنے کے لئے بکر کے پاس چلا جائے تو کیا زید اس کو معاف

کر دے گا؟ ہرگز نہیں۔ لیکن اُس دنیائے محبت کے تو اصول و قواعد ہی نرالے ہیں فرمایا ''جَاءُوْكَ''، محبوب! اگر وہ مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کے طلب گار ہیں تو تیرے پاس آئیں اور پھر فرمایا فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ جب آ جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔

یہاں کوئی سوچ سکتا تھا کہ باری تعالیٰ اگر معافی ہی لینی تھی تو وہ گھر بھی مانگی جا سکتی تھی۔ وہ کسی مسجد میں بھی تجھ سے طلب کی جا سکتی تھی، بلکہ خانہ کعبہ اور مسجدِ حرام سے بڑھ کر اور کون سا مقام ہوگا۔ لیکن تو نے اس رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پابندی کیوں لگائی؟ حالانکہ تو تو ہر جگہ اپنے بندوں کی دعا سنتا ہے کیونکہ تو نے خود ہی تو فرمایا ہے:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ○ (۱)

''اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہئے کہ میری فرمانبرداری اختیار کریں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تاکہ وہ راہِ (مراد) پا جائیں○''

پھر تیرا یہ بھی فرمان ہے کہ:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ○ (۲)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں○''

اس کے باوجود معافی کے لئے گناہگاروں کو اس رسول ﷺ کے دَر پر کیوں بلاتا ہے؟ تو فرمایا تمہیں یہی سبق سکھانا مطلوب تھا کہ:

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر!
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

---

(۱) البقرہ، ۲: ۱۸۶

(۲) ق، ۵۰: ۱۶

بابِ سوُم

وسائط کی اَقسام

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

ایمان کا اساسی اور بنیادی تصور یہ ہے کہ توحید و رسالت ایک ہی نور کی دو شعاعیں ہیں۔ یہ دونوں انوار ایک ہی منبع و سرچشمہ سے پھوٹتے ہیں۔ توحیدِ باری تعالیٰ تک رسائی واسطۂ رسالت ﷺ ہی سے ممکن ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم قدرے تفصیل سے اس حقیقت پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ درِ رسالت ﷺ پر پہنچے بغیر عقیدۂ توحید کا دعویٰ خام، بے بنیاد اور غیر معتبر ہے۔ واسطۂ نبوت و رسالت کے بغیر نہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے وجود کا علم ہے نہ اس کی اُلوہیت کا، نہ اس کی وحدانیت کا اور نہ ربوبیت کا۔ واسطۂ رسول ﷺ کے بغیر نہ تو خدا کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور نہ دینِ حق کی ہدایت، الغرض واسطۂ نبوت کے بغیر معبودِ حقیقی کی پہچان اور معرفت حاصل کرنے کی کوشش بھی محض ضلالت و گمراہی ہے۔ اگر دین سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کا واسطہ الگ کر دیا جائے تو اہلِ اسلام کے پاس نہ وجودِ باری تعالیٰ کا اِیقان باقی رہ جاتا ہے اور نہ ہی توحیدِ اُلوہیت کی یقینی تصدیق۔ اس طرح نہ قرآن کے وحی ہونے کی کوئی حتمی سند باقی رہتی ہے اور نہ اسلام کی صحت وحقانیت کی قطعی دلیل۔

تفہیمِ وسائط کے ذیل میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول ﷺ کے درمیان بعض معاملات اور اُمور ایسے ہیں کہ ان کی نسبت بھی الگ نہیں اور شرعاً ان کا حکم بھی الگ نہیں۔ ان میں صرف لفظی ثنویت ہے معنوی نہیں، صرف لفظی غیریت ہے حکمی نہیں۔ یعنی ان کے درمیان اشتراک اتنا قوی اور اقرب ہے کہ وہ حکمِ وحدت کے ذیل میں آتے ہیں اور وہ اشتراک صفت مشترک نہیں بلکہ محض درمیان کے واسطے ہوتے ہیں۔ کبھی رسول ﷺ کا اسمِ گرامی لیا جاتا ہے اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مقصود ہوتی ہے لہٰذا یہ طے شدہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت اگر درمیان سے نکال دی جائے تو

دینِ اسلام کی عمارت دھڑام سے نیچے گر جائے گی اور انسان محض ضلالت و گمراہی کے اندھیروں میں سرگرداں پھرتا رہے گا۔ جیسا کہ گزشتہ فصل میں واضح ہوگیا ہے کہ نبوت و رسالت خود بندے اور خدا کے درمیان واسطے کا نام ہے۔ انبیاء و رسل کی بعثت دراصل اللہ تعالیٰ کا اپنے اور بندے کے درمیان واسطہ مقرر کر دینا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ خود احکامِ الٰہی کی پیروی کیلئے واسطہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسلام کے رد و قبول کیلئے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور حیاتِ طیبہ کو ہی حتمی معیار اور کامل دلیل قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝(1)

’’بے شک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے ۝‘‘

لٰہذا اللہ تعالیٰ سے تعلقِ محبت و اطاعت اُستوار کرنے کیلئے واسطۂ رسالت ناگزیر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اُستوار کرنے کیلئے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق ہی واسطہ بنتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے تعلق اللہ تعالیٰ ہی سے تعلق ہے، یہ تساوی نہیں بلکہ توحید ہے، شرک نہیں بلکہ اشتراک ہے۔ یہ حکمی وحدت منافیٔ توحید نہیں بلکہ عینِ توحید ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے وسائط نہ صرف یہ کہ کلی و حتمی جواز رکھتے ہیں بلکہ شرعی احکام و فرامین کی تعمیل کے لئے انتہائی ضروری اور ناگزیر ہیں۔ ان میں سے بعض فرض، واجب، سنت مؤکدہ یا سنت غیر موکدہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ وسائط کی چند معروف اقسام درج ذیل ہیں:

١۔ واسطۂ ایمان
٢۔ واسطۂ محبت
٣۔ واسطۂ تعظیم
٤۔ واسطۂ حرمت
٥۔ واسطۂ اطاعت
٦۔ واسطۂ حکم

(١) یونس، ١٠: ١٦

۷۔ واسطۂ توجہ	۱۵۔ واسطۂ شفاعت
۸۔ واسطۂ ابلاغ	۱۶۔ واسطۂ ہدایت
۹۔ واسطۂ علم	۱۷۔ واسطۂ بیعت
۱۰۔ واسطۂ رضا	۱۸۔ واسطۂ افعال
۱۱۔ واسطۂ توسل	۱۹۔ واسطۂ ولایت
۱۲۔ واسطۂ تبرک	۲۰۔ واسطۂ اذیت
۱۳۔ واسطۂ استعانت	۲۱۔ واسطۂ مخالفت
۱۴۔ واسطۂ عطا	۲۲۔ واسطۂ نصرت

۲۳۔ واسطۂ تعبُّد

مندرجہ بالا اقسام میں سے صرف ایک آخری قسم واسطۂ تعبد واسطۂ شرکیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت خواہ تقرب الٰہی کے لیے کیوں نہ ہو شرک ہے۔ باقی سارے واسطے مختلف جہتوں سے حضور نبی اکرم ﷺ سے اور کبھی اولیاء اللہ سے اُستوار ہوتے ہیں۔ جیسے واسطہ ولایت، واسطہ حرمت و تعظیم وغیرہ۔ بعض لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے جونہی واسطہ کا لفظ آتا ہے تو اسے شرک قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ سراسر جہالت اور گمراہی ہے۔ دراصل یہ مغالطہ حقوقِ توحید اور حقوقِ رسالت نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ مطلقاً واسطہ کا انکار کر دینا سراسر غلط اور نصِ صریح کا انکار ہے جو انکارِ رسالت ﷺ کے ذریعہ کفر کی طرف لے جاتا ہے۔

ذیل میں ہم مندرجہ بالا وسائط کی مختصراً وضاحت پیش کرتے ہیں تاکہ ہر ایک کی اہمیّت سمجھ میں آ جائے۔

۱۔ توحید اور واسطۂ ایمان

معرفت باری تعالیٰ اور اتباع واطاعتِ رسول ﷺ کے لئے ایمان ایک بنیادی واسطہ ہے۔ یہ واسطہ ہمیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے محبوب رسول حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ

سے نصیب ہوا ہے۔ صحیح عقیدۂ توحید تب متحقق ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، یوم آخرت پر، جنت اور جہنم پر اور اچھی اور بری تقدیر پر کامل ایمان لایا جائے۔

واسطۂ ایمان کا حقیقی تصور

ایمان سب سے بلند عملِ صالح اور عظیم ترین واسطہ اور وسیلہ ہے۔ اس سے کوئی عمل اونچا نہیں کیونکہ عمل خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، جب تک عمل کرنے والے کے اندر مضبوط ایمان نہ ہوگا اس کا عمل بے کار اور لغو و باطل ہو جائے گا یعنی نجاتِ اُخروی اور اعمال کے ہر اجروثواب کے لئے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر ایمان لازمی اور مقبول ترین واسطۂ ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ق غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُo[1]

”(وہ) رسول ﷺ اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اہلِ ایمان نے بھی، سب ہی (دل سے) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، (نیز کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان بھی (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے، اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے ہیں: ہم نے (تیرا حکم) سنا اور اطاعت (قبول) کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طلبگار ہیں اور (ہم سب کو) تیری ہی طرف لوٹنا ہےo“

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۵

۲۔ پھر سورہ النساء میں ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا○(۱)

’’اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب پر جو اس نے (اس سے) پہلے اتاری تھی ایمان لاؤ، اور جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے تو بیشک وہ دور دراز کی گمراہی میں بھٹک گیا○‘‘

۳۔ سورۃ الفتح میں عدمِ ایمان کی صورت میں عذاب کی وعید سنائی، ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا○(۲)

’’اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے○‘‘

معلوم ہوا کہ واسطۂ ایمان کے بغیر کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوتا اور نہ اِس کے بغیر قرآن، اِسلام اور حضور نبی اکرم ﷺ کی معرفت ممکن ہے۔ ایمان جب دل میں سرایت کر جاتا ہے تو زبان اور اعضاء و جوارح سے اس کی برکتوں کا ظہور ہوتا ہے اور بندہ ایسے اعمال بجا لاتا ہے جس سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

۲۔ توحید اور واسطۂ محبت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تکمیل ایمان کا ضروری تقاضا ہے۔

(۱) النساء، ۴: ۱۳۶

(۲) الفتح، ۴۸: ۱۳

ازروئے قرآن سچا مؤمن وہ ہے جو اللہ رب العزت سے سب سے بڑھ کر محبت کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ(۱)

’’اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ’’اللہ سے محبت‘‘ جیسی محبت کرتے ہیں، اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔‘‘

آیات ربانی اور احادیث رسول اکرم ﷺ سے یہ امر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اتباع رسول ﷺ میں مضمر ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت شرط ایمان ہے۔

۲۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○(۲)

’’(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا اور مہربان ہے○‘‘

ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی اطاعت و محبت کے بغیر کوئی شخص کامل مومن ہو جائے، ایں خیال است و محال است و جنوں والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہر اہلِ ایمان کے لئے سرمایہ ہدایت ہے کہ اگر کوئی مجھ سے محبت کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ میرے محبوب ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو اپنا شعارِ حیات بنائے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو میں اسے اپنا محبوب بنا لوں گا۔

۳۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے واسطۂ محبت کا تذکرہ یوں فرمایا:

(۱) البقرہ، ۲: ۱۶۵

(۲) آل عمران، ۳: ۳۱

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○(۱)

’’(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا○‘‘

اس آیتِ مبارکہ کے آخری حصہ میں تین محبتوں کا ذکر ہے:

۱۔ محبتِ الٰہی

۲۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۳۔ محبت دین و جہاد

ان تینوں محبتوں کو ایک تسلسل میں بیان کیا گیا ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی محبت پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آخر میں نصرت دین کے لئے جہاد سے محبت۔ یہ تینوں محبتیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق ایمان کے استحکام کے لئے واسطہ ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے محبت شرک ہوتی تو وہ عبادت کی طرح محبت کو بھی اپنا اختصاصی و امتیازی حق قرار دے دیتا لیکن اس نے کہیں ایسا نہیں فرمایا، بلکہ محبت کے باب میں صراحت کے ساتھ تینوں یعنی اللہ، ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کو محبت کا

(۱) التوبہ، ۹: ۲۴

حقدار وسزاوار ٹھہرایا اور فرمایا ہے کہ اگر اہل ایمان میں کوئی مجھ سے محبت کرنا چاہتا ہے تو وہ میرے محبوب رسول ﷺ کی محبت کو اپنا منتہائے مقصود بنا لے، اسے میری محبت حاصل ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ محبت کا حق، عبادت کی طرح صرف اللہ تعالیٰ کا اختصاصی حق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور اہلِ اللہ سب کے ساتھ محبت، چاہت اور اپنائیت کے تعلقات و روابط استوار کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس تعلق کی استواری کو خلقِ خدا کی ضرورت قرار دیا گیا ہے۔ ذیل میں چند احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ يَومَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي؟ اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي. (۱)

’’اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: کہاں ہیں میری عظمت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تاکہ میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں کیونکہ آج میرے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہے۔‘‘

۲۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ ِللهِ، وَأَبْغَضَ ِللهِ، وَأَعْطَى ِللهِ، وَ مَنَعَ ِللهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيْمَانَ. (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب فی فضل الحب فی الله، ۴: ۱۹۸۸، رقم: ۲۵۶۶

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۷، رقم: ۷۲۳، ۸۴۳۶، ۸۸۱۸، ۱۰۷۹۰، ۱۰۹۲۳

(۲) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب: السنة، باب: الدلیل علی زیادة الإیمان ونقصانه ۴: ۲۲۰، رقم: ۴۶۸۱

۲۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۱۷۸ رقم: ۲۶۹۴

۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۹: ۴۱، رقم: ۹۰۸۳

’’جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کی، اللہ تعالیٰ کے لئے عداوت رکھی، اللہ تعالیٰ کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے دینے سے ہاتھ روک لیا پس اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ اللهُ الْعَبْدَ نَادَى جِبْرِيْلَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ. فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيْلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ.(1)

’’جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر حکم فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے تو بھی اس سے محبت کر پس حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمانی مخلوق میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین والوں (کے دلوں) میں بھی اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو محبت کا حکم دیا۔ محبت صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت، محبتِ ’’پنج تن پاک‘‘ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت سیدہ فاطمہ، حسنین کریمین اور حضرت

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب: بدء الخلق، باب: ذِکرِ المَلَائِکَۃِ، ۳:۱۱۷۵، رقم: ۳۰۳۷
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب: البر والصلۃ والآداب، باب: إذا احب اللہ عبداً، حببہ إلی عبادہ، ۴:۲۰۳۰، رقم: ۲۶۳۷
۳۔ مالک، الموطأ، کتاب الشعر، باب: ماجاء فی المتحابین فی اللہ، ۲:۹۵۳، رقم: ۱۷۱۰

علی رضی اللہ عنہ) محبت اولیاء، محبت اہل اللہ اور محبت صالحین کے بارے متعدد احادیث مبارکہ مروی ہیں، ائمہ حدیث نے کتب احادیث میں الحب فی اللہ کے عنوان سے ابواب قائم کرکے اس موضوع کی احادیث کو جمع کیا ہے۔ جبکہ حدیث قدسی میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ میں ان لوگوں سے محبت کرتا ہوں جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کی ایک دوسرے سے محبت، تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر ہوتی ہے اور ان میں قدرِ مشترک میری ذات سے محبت ہے۔

لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے اہلِ بیت اطہار اور اولیاء وصلحاء کرام سے محبت شرک نہیں کیونکہ اس محبت کی اساس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطۂ محبت پر استوار ہے جو محبت الٰہی کا واسطہ ہے۔

۳۔ توحید اور واسطۂ تعظیم

حقیقی اَدب و اِحترام اور اِنتہائی تعظیم کی حق دار و سزاوار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس عظیم ہستی کی تعظیم و تکریم کا اظہار صرف عبادت کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ عبادت ایک ایسا عمل ہے جو سراسر اللہ بزرگ و برتر کے لئے دل کی گہرائیوں کے ساتھ تعظیم و تکریم اور ادب واحترام کے اعلیٰ ترین درجے سے عبارت ہے۔ کسی اور کے لئے تعظیم اور ادب و احترام کے جتنے بھی درجے ہوسکتے ہیں وہ اس درجے سے کم تر اور فروتر ہوں گے اور ان کی نوعیت بھی عمومی درجے کی ہوگی۔

تعظیم کا حقیقی تصور

اَنبیائے کرام، صالحینِ عظام، والدین، شیوخ، اساتذہ یا کسی اور معزز ہستی کی عزت وتوقیر، ان کا ادب و احترام، ان کی فرمان برداری، تعمیلِ ارشاد اور ان سے منسوب اشیاء کی حرمت وتکریم ان کی تعظیم ہے۔ چونکہ یہ عمل درجۂ عبادت یعنی عاجزی و تذلّل اور عجز و انکساری کی آخری حد سے کم تر اور فروتر ہوتا ہے اور اس کی نوعیت بھی عمومی ہوتی ہے اس

لئے عبادت کے زمرے میں نہیں آتا اور شرعی حوالے سے یہ ایک جائز امر ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا. (۱)

’’وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور بڑوں کی عزت نہ کی۔‘‘

۲ اسی طرح چھوٹوں پر رحمت و شفقت اور بڑوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور احترام کا تعلق اسلام کی بنیادی تعلیمات کا حصہ ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ بواسطہ اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا. (۲)

’’وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی قدر و منزلت نہ پہچانے۔‘‘

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ تعظیم نہ صرف شرعی واجبات میں سے ہے بلکہ مطلقاً ایسا مطلوب و مقبول عمل ہے جسے ترک کرنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اُمت سے خارج ہے۔

عبادت اور تعظیم میں بنیادی فرق

تعظیم کسی کی بھی ہوسکتی ہے۔ ہم اپنے استاد، بزرگ، والد یا کسی اور معزز ہستی

(۱) ترمذی، السنن، کتاب البر و الصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی رحمة الصبیان، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۹

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ماجاء فی رحمة الصبیان، ۴: ۳۲۲، رقم: ۱۹۲۰

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب فی الرحمة، ۴: ۲۸۶، رقم: ۴۹۴۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۲، رقم: ۷۰۷۳

کی تعظیم بجا لاتے ہیں جو بالکل جائز اور صائب عمل ہے جس کی شریعت مطہرہ نے تعلیم و تلقین کی ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کے لئے بھی ایسی تعظیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو عبادت کے درجے کو پہنچ جائے اور نہ ہی کوئی مؤمن شخص عبادت کی نیت سے کسی کی تعظیم کرنے کا تصور کرسکتا ہے۔ تعظیم کے ان دونوں انتہائی درجوں میں تمیز کرنا اور فرق روا رکھنا لازمی ہے۔ اس لیے ہر تعظیم کو عبادت نہیں کہا جا سکتا۔ ایک وحدہ لاشریک ہستی کے لئے بجا لائی جانے والی بلند ترین تعظیم ہی کو عبادت سے موسوم کیا جائے گا۔

شعائر اللہ کی تعظیم، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید قرار پائی

صفا و مروہ کے دو پہاڑیوں کو اللہ تعالیٰ نے شعائر قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ. (۱)

’’بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔‘‘

۲۔ وہ بھیڑ، بکریاں، چھترے، گائے جو جانور بھی حج کے دنوں میں اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں شعائر اللہ ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰـهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللهِ. (۲)

’’اور قربانی کے بڑے جانوروں (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے۔‘‘

قربانی کے یہ جانور بھی اگرچہ عام جانوروں کی طرح ہیں لیکن شعائر اللہ میں آ جانے کی وجہ سے اس کی تعظیم واجب ہوگئی اور وہ عام جانوروں سے ممتاز و مکرم ہوگئے کیونکہ وہ اب **وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰـهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللهِ** کے حکم کا مصداق بن گئے، نسبت نے دونوں میں زمین آسمان کا فرق کر دیا۔ ان کی تعظیم کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۵۸

(۲) الحج، ۲۲: ۳۶

ربانی کی رو سے وہ لوگ جو شعائر اللہ کا کمال درجہ احترام اور تعظیم کرتے ہیں وہ متقی ہیں اور یہ تقویٰ ان کے دلوں کے اندر جاگزیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○[1]

’’اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو)○‘‘

تعظیم و توقیرِ رسول ﷺ منافیٔ توحید نہیں

قرآن و سنت کی بے شمار نصوصِ قطعیہ سے یہ امر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر اور اذن سے انبیاء و رسل عظام کی اطاعت اور ان کے احکام کی تعمیل کے ساتھ ساتھ ان کی تعظیم و توقیر بھی واجب ہے۔ بالخصوص اللہ تبارک و تعالیٰ نے مالک و مولا اور خالق و بے نیاز ہو کر نے اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ کے خود آداب سکھائے، اونچا بولنے سے منع کیا اور لاپرواہی سے پکارنے کو حرام ٹھہرایا۔ خلاف ورزی پر تمام اعمال برباد کر دینے اور ساری محنت و کمائی پر پانی پھیر دینے کی وعید سنائی۔ آپ ﷺ کے صحابہ، اہلِ بیت اور ازواجِ مطہرات کے مرتبہ و مقام کو ملحوظ رکھنے اور انہیں ایذا پہنچانے سے اجتناب و احتراز کا حکم دیا اور کبھی آپ ﷺ کے ساتھ چلنے کا ادب اور سلیقہ سکھلایا۔ کہیں آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرانے کی کیفیتِ خطاب و نداء سے آگاہ فرمایا اور کبھی آپ ﷺ کے بلاوے کی اہمیت اور فوری حاضری کے وجوب کو بیان کیا اور تغافل و لاپرواہی کے امکانات کا سد باب کیا۔ قرآن و سنت کی ان تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت اور بلندی مقام کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آپ ﷺ سے کما حقہ مستفید

(۱) الحج، ۲۲: ۳۲

ہوسکیں اور آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر، اطاعت و اتباع اور معیت ومحبت کو شرک اور منافیٔ توحید نہ سمجھنے لگیں۔

کوئی بھی راسخ العقیدہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم عبادت کی نیت سے ہرگز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے افعال جو بزرگوں کی تعظیم پر مبنی ہوں وہ اسلامی تعلیمات کی تعمیل ہے۔ یہ شرک کے دائرے میں ہرگز نہیں آتے۔ اس لئے کہ وہ توحید سے کسی طرح بھی متعارض ومتصادم نہیں۔ یہ ہرگز شرک نہیں۔

۴۔ توحید اور واسطۂ حرمت

اللہ رب العزت کی ذات ہی انتہائی تعظیم اور عبادت کے لائق ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت شرک ہے لیکن انبیاء علیہم السلام ادب و احترام اور تعظیم وتکریم شرک نہیں بلکہ یہ فرائض دینی میں سے ہے۔ اور شرعاً واجب ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کی نسبت کی حرمت بھی واجب اور ایمان کا حصہ ہے۔ توحید کا تقاضا ہے کہ ان چیزوں کا بھی دل و جان سے احترام واکرام کیا جائے جو اللہ رب العزت کو محبوب ہیں۔ اللہ رب العزت کے برگزیدہ بندوں انبیاء علیہم السلام اور ان کی نسبت سے بعض مقدس مقامات و اماکن اور آثار وتبرکات کا دل و جان سے ادب واحترام اور محبت وعقیدت قرآن وسنت کے نصوص سے ثابت ہے۔ مثلاً

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے شہرِ مکہ کی حرمت، اس کے گلی کوچوں کی حرمت، اس کے جانوروں اور درختوں کی حرمت واجب ہے۔

۲۔ اسی طرح مدینہ منورہ کو جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی نسبت سے حرم بنا دیا تو اب وہاں کے درختوں کی تعظیم، گلی کوچوں کی تعظیم، اور در و دیوار کی تعظیم بھی بعینہ واجب ہوگئی۔

۳۔ عام جگہوں پر پتھروں کو قابلِ تعظیم نہیں سمجھا جاتا مگر اہلِ ایمان جب حجِ بیت اللہ کے

لئے جاتے ہیں تو حجرِ اسود کو تعظیماً چومتے ہیں۔ کیونکہ حجرِ اسود کی تعظیم واجب ہے۔

۴۔ اسی طرح حجاجِ کرام مقامِ ابراہیم کی تعظیم کرتے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ لہٰذا اس کی تعظیم بھی واجب ہے۔

۵۔ حجاج کے لئے رکنِ یمانی کو دورانِ طواف چھونا مناسکِ حج کا حصہ ہے۔

۶۔ طوافِ کعبہ اور کعبہ کی حد درجہ تعظیم توحید کا حصہ ہے۔

۷۔ کعبہ کے صحن حتیٰ کہ غلافِ کعبہ کی ادباً تعظیم اور حرمت ملحوظ رکھنا لازمی امر ہے۔

۸۔ آبِ زمزم پینے کے لئے تعظیماً قیام کیا جاتا ہے جو کہ سنت ہے، یہ تعظیم ہے عبادت نہیں جبکہ آبِ زم زم کے علاوہ کسی اور مشروب کو بیٹھ کر پینا سنت ہے۔

۹۔ حجاج سعی کے ذریعے صفا و مروہ پہاڑیوں کی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ یہ شعائر اللہ ہیں، ان کا ادب و احترام شرعاً تعظیم تو ہے مگر یہ ان پہاڑیوں کی عبادت نہیں۔

۱۰۔ اہلِ ایمان قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ وہ شعائر اللہ ہیں جانوروں کی اس تعظیم کو عبادت نہیں سمجھا جاتا۔

واسطۂ حرمت کا شرعی ثبوت

واسطۂ تعظیم و حرمت کا جواز متعدد قرآنی آیات سے ثابت ہے اس پر تفصیلی بحث ہم اسی کتاب کی جلد اوّل ''باب توحید فی التحریمات'' میں کر چکے ہیں۔

اللہ رب العزت نے سورۃ الحج میں شعائر اللہ کی تعظیم اور حرمت کو تقویٰ کا واسطہ قرار دیا، ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِo[1]

''اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی

(۱) الحج، ۲۲: ۳۲

نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو۔"

قرآن حکیم کی آیات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس حرمت، تحریم اور توقیر و تکریم میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں اور نہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے۔ ہم کئی چیزوں کی از روئے شرع حرمت و تعظیم بجالاتے ہیں مثلاً حرمین شریفین شہر مکہ و مدینہ کا ادب و احترام، حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ کی حرمت و تعظیم، قرآن کے مقدس اوراق کا ادب، اسی طرح مسجدوں کے در و دیوار کی تعظیم، پتھروں کی تعظیم الغرض جس مقدس چیز سے جب بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی نسبت ہوگئی ان سب سے ادب و احترام کا تعلق واسطۂ حرمت ہے جو شرعاً جائز اور ثابت ہے۔ اور یہی واسطہ حصولِ تقویٰ کا باعث بھی ہے۔

۵۔ توحید اور واسطۂ اطاعت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ کے درمیان اطاعت کا تعلق ایک ایسا واسطہ ہے جس میں حکمی وحدت ہے۔ اس واسطہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ دونوں کی اطاعتیں ایک ہی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ○ (۱)

"اے ایمان والو! تم اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی مت کرو حالانکہ تم سن رہے ہو ○"

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی اطاعتوں کا ذکر ہے لیکن روگردانی کو ایک قرار دیا ہے فرمایا: وَلَا تَوَلَّوْ عَنْهُ "اس سے روگردانی مت

(۱) الانفال، ۸: ۲۰

کرو‘‘ اگر دونوں اطاعتیں الگ الگ ہوتیں تو ضمیر ’’عنھما‘‘ استعمال ہوتا لیکن عَنهُ سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت ایک ہی ہے۔ اس لئے اس سے روگردانی اور نافرمانی کو بھی ’’عَنهُ‘‘ کہہ کر ایک ہی روگردانی قرار دیا گیا اسے ’’حکمی وحدت‘‘ کہتے ہیں۔ اس کی مزید تائید اللہ رب العزت کی اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے، فرمایا:

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا ○ (۱)

’’جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا○‘‘

قرآن مجید میں درجنوں مقامات پر اللہ تعالیٰ اور اس رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر ’’وَ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُو الرَّسُوۡلَ‘‘ اور وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ‘‘ کے الفاظ کے ساتھ یکجا ہوا ہے جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دونوں اطاعتیں ایک ہی ہیں۔ چونکہ آقائے دوجہاں حضور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی، حق اور باطل کے مابین معیارِ حق اور حدِ فاصل کا درجہ رکھتی ہے اس لئے آپ ﷺ کو واسطۃ الاطاعۃ بنایا گیا۔ احکامِ شریعت پر عمل درآمد اور عبادات کی قبولیت کے لئے آپ ﷺ کی سنت اور طرزِ عمل کو نمونہ قرار دیا گیا جس پر عمل پیرا ہوئے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اور کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ (۶۶۱ھ۔۷۲۸ھ) نے اس موضوع پر بہت عمدہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

و أن جهة حرمة اللّٰه تعالیٰ و رسوله جهة واحدة فمن آذی الرسول فقد آذی اللّٰه ومن أطاعه فقد أطاع اللّٰه لأن الأمة لا یصلون ما بینهم و بین رَبّهم إلا بواسطةِ الرّسول، لیس لأحدٍ منهم طریق غیره ولا سبب سواه۔ (۲)

(۱) النساء، ۴: ۸۰

(۲) ابن تیمیة، الصارم المسلول: ۴۶

’’اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی حرمت کی جہت ایک ہی ہے۔ لہٰذا جس نے رسول ﷺ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ امت کے تعلق باللہ کا رشتہ صرف رسول ﷺ کے واسطہ سے استوار ہوسکتا ہے کسی کے پاس بھی اس کے سوا دوسرا کوئی طریقہ یا راستہ نہیں۔‘‘

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے فیض و برکت حاصل کرنے کا ذریعہ سوائے ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے اور کوئی نہیں آپ ﷺ کا واسطہ اُمت کے لئے ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و فرائض اور اس کی عنایات و نوازشات کے حصول کا ذریعہ واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ ہی ہے۔ آپ ﷺ کی وساطت سے لوگوں کو علم و حکمت و ہدایت، راہنمائی میسر آتی ہے اور یہی واسطۃ الاطاعۃ ہے۔

۶۔ توحید اور واسطۂ حکم

احکامِ شریعت کے بنیادی مآخذ دو ہیں:

(۱) قرآن (۲) سنت

قرآن وحی جلی پر مشتمل کلامِ الٰہی ہے جبکہ سنت، حضور نبی اکرم ﷺ کے قول و فعل پر مشتمل احکامات کا نام ہے جسے وحی خفی قرار دیا گیا ہے۔ دونوں کے احکامات پر عمل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ جس طرح اللہ رب العزت نے مخلوق کے لئے احکام عطا کئے اسی طرح اس کے رسول ﷺ نے بھی اُمت کے لئے چیزوں کو حلال اور حرام قرار دیا۔ گویا اللہ رب العزت نے رسول ﷺ کے حکم کو اپنا حکم قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ (۱)

() الاحزاب، ۳۳: ۳۶

’’اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو ان کے لئے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیت سے یہ امر مترشح ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے۔ کیونکہ اختلافات میں حقیقی فیصلہ تو اللہ تعالیٰ ہی فرمانے والا ہے لیکن اس نے اپنے نبیوں کو فیصلہ کا واسطہ اور ذریعہ بنا کر بھیجا تاکہ وہ اس کا قائم مقام بن کر ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو لوگوں کے درمیان حکم یعنی فیصلہ صادر کرنے والا بنا کر بھیجا گیا۔ یہ واسطۂ حکم ہے جس کا استشہاد درج ذیل آیاتِ مقدسہ سے ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (۱)

’’پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔‘‘

۲۔ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ (۲)

’’اور جب ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے

(۱) النساء، ۴: ۶۵
(۲) النور، ۲۴: ۴۸

کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے تو اس وقت ان میں سے ایک گروہ (دربارِ رسالت ﷺ میں آنے سے) گریزاں ہوتا ہے o‘‘

۳۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَاط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo[1]

’’ایمان والوں کی بات تو فقط یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو وہ یہی کچھ کہیں کہ ہم نے سن لیا، اور ہم (سراپا) اطاعت پیرا ہو گئے، اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیںo‘‘

ان آیات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں تو ان لوگوں کو دربارِ رسالت مآب ﷺ میں بلایا گیا تھا اور فیصلہ بھی آپ ﷺ نے فرمانا تھا لیکن اللہ رب العزت رسول ﷺ کے بلاوے اور حکم کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ درحقیقت حکمِ رسول ﷺ بھی حکمِ الٰہی ہے۔ گویا رسول ﷺ کا حکم، بارگاہِ الٰہی کے لئے واسطہ ہو گیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکمِ تحلیل و تحریم بھی ایک ہے۔ ارشاد فرمایا:

۴۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَo[2]

’’(اے مسلمانو!) تم اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ (بھی) جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یومِ آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے

(۱) النور، ۲۴: ۵۱
(۲) التوبة، ۹: ۲۹

ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ ہی دینِ حق (یعنی اسلام) اختیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ (حکمِ اسلام کے سامنے) تابع و مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے خراج ادا کریں٥‘‘

جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ’حکمی وحدت‘ ہے اسی طرح رسول ﷺ کے فیصلہ کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی اور تحریم و تحلیل کا اختیار بھی رسول ﷺ کو تفویض فرما کر اپنے اور رسول ﷺ کے درمیان ایک واسطہ اور تعلق قائم کر دیا۔ پس اب رسول ﷺ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کا اقرار اور رسول ﷺ کے حکم کا انکار خارجی وطیرہ ہے۔ جب اللہ رب العزت نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے درمیان واسطۂ حکم قائم کیا تو کسی اور کو ان میں کسی قسم کی تفریق کی کوئی اجازت نہیں۔

۷۔ توحید اور واسطۂ توجہ

اللہ رب العزت کی ذات ہر سمت جلوہ گر ہے۔ وہ تمام سمتوں کا خالق ہے۔ اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے وہ کسی خاص سمت کا محتاج نہیں۔ یہ اسی کا فرمان ہے:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ٥(۱)

’’اور مشرق و مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے، پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے (یعنی ہر سمت ہی اللہ کی ذات جلوہ گر ہے) بیشک اللہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے٥‘‘

اس ارشادِ گرامی کے باوجود اس نے اپنی عبادت کے لئے کعبہ کی سمت مقرر کر دی۔ تمام مسلمانانِ عالم بوقتِ نماز کعبہ کی طرف منہ کر کے نیت کرتے ہیں: ’’میں کعبہ کی

(۱) البقرة، ۲: ۱۱۵

طرف اپنا چہرہ کر کے اللہ کے لئے نماز ادا کرتا ہوں۔'' یوں وہ نماز کے دوران توجہ الی الکعبۃ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ کعبہ رخ ہو کر سجدہ کرنا کعبہ کے لئے نہیں بلکہ رب کعبہ کے لئے ہوتا ہے۔ کعبہ کی سمت منہ کر کے کھڑے ہونا محض واسطۃ التوجہ اور واسطۃ الاستقبال ہے۔ غالب کا شعر ہے:

حدِ ادراک سے پرے ہے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لئے شرط لگا دی کہ واسطۂ رسالت ہوگا تو میں عبادت قبول کروں گا اسی طرح اس نے اپنی عبادت، نماز کی ادائیگی کے لئے توجہ الی الکعبہ کی شرط عائد کر دی کہ اگر عبادت گزار کا چہرہ کعبہ کی طرف ہو گا تو نماز قبول ہوگی ورنہ نہیں۔ کوئی شخص سورۃ البقرہ کی مذکورہ آیت نمبر ۱۱۵ سے استدلال کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سنگ و خشت سے بنے ہوئے گھر کی ضرورت نہیں اس کی ذات تو ہر سمت جلوہ گر ہے لہٰذا میں جس طرف چاہوں رخ کروں۔ وہ سمتوں کا محتاج نہیں۔ بے شک وہ کسی سمت کا محتاج نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ تمام سمتوں کا خالق بھی وہی ہے اور تمام سمتیں اسی کے لئے ہیں۔ سمتوں کی محتاج تو مخلوق ہے۔ اگر یہ اس کی مشیت میں ہوتا تو وہ ایسا اہتمام کرسکتا تھا کہ سمت کعبہ کی بجائے مسلمان جس طرف چاہیں رخ کر کے نماز پڑھیں مگر اس پر قادر مطلق ہونے کے باوجود اس نے واسطۂ توجہ قائم کیا اور تمام مسلمانوں کو کعبہ کی سمت توجہ کرنے کا حکم دیا، ارشاد فرمایا:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۙ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۙ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝(۱)

''اور تم جدھر سے بھی (سفر پر) نکلو اپنا چہرہ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۵۰

طرف پھیر لو، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو سو اپنے چہرے اسی کی سمت پھیر لیا کرو تاکہ لوگوں کے پاس تم پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں حد سے بڑھنے والے ہیں، پس تم ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرا کرو، اس لئے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم کامل ہدایت پا جاؤo‘‘

اب اگر کوئی شخص کعبہ سے رخ ہٹا کر کسی اور سمت ساری زندگی نماز پڑھتا رہے تو ہرگز قبول نہ ہوگی۔

۳۔ اسی طرح جب حجاج دورانِ طواف مقامِ ابراہیم کے پاس اس کی طرف توجہ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو ان کا مقامِ ابراہیم کی طرف متوجہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ط(۱)

’’اور (ہم نے حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنا لو۔‘‘

ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کے لئے سمت کا تعین لازمی قرار دیا ہے، وہ اپنی عبادت بغیر واسطۂ جہت کے قبول نہیں کرتا۔ فرائض، واجبات، سنن اور نوافل کی ادائیگی کے لئے کعبہ کی طرف اس کی عبادت کی خاطر متوجہ ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم اس کے بنائے ہوئے ضابطوں کی تعمیل اور تقاضوں کے مطابق ایک خاص سمت اپنا رخ کریں۔ تبھی وہ ہماری عبادت قبول کرے گا۔ اس نے اپنے گھر یعنی کعبہ کو ہمارے اور اپنے درمیان واسطۃ التوجہ بنا دیا ہے اب اس کی طرف رخ کئے بغیر ہماری کوئی عبادت قبول نہیں ہوسکتی، لہٰذا یہ واسطہ ناگزیر ہے۔

۸۔ توحید اور واسطۂ اِبلاغ

واسطۂ اِبلاغ کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنا پیغام براہِ راست بغیر واسطہ کے بندوں تک

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۲۵

نہیں پہنچایا بلکہ اس نے اپنا پیغام بندوں کو پہنچانے کے لئے انبیاء و رسل علیہم السلام کو واسطہ بنایا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بندوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے وہ رسولوں کا محتاج ہے؟ کیا وہ براہِ راست اپنا پیغام نہیں بھیج سکتا؟ اگر وہ بھیج سکتا ہے تو پھر اس نے رسول ﷺ کو **واسطة بین العبد و الرب، واسطة بین الخالق و المخلوق** اور **واسطه بین العبد و المعبود** کیوں بنایا؟ جبکہ وہ براہِ راست ہر ایک کو یہ شعور دینے پر بھی قادر تھا کہ یہ اس کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ خالق ہے، **بدیع السمٰوٰت والارض** ہے، وہ عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے اور **کُنْ فَیَکُوْن** کی شان کا مالک ہے:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی علیہ السلام کو اس لئے مبعوث فرمایا کہ وہ اُمت کو نماز اور دیگر عبادات کا نمونہ بتا سکے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ نمونہ بھی ان کے ذہن میں القا کر دیتا؟ نماز کے حکم کے ساتھ ہی بتا دیا جاتا کہ نماز کس طرح ادا کرنی ہے۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست شعور دے دیا جاتا۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا تو وہ ان کا محتاج نہیں تھا اور یہ بات بھی نہیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں تھی اس لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا پڑا۔ وہ چاہتا تو شعور بھی اور نورِ فہم بھی دے دیتا۔ یہ اس کے لئے کوئی مشکل بات نہیں (**فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ**) اور (**عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر**) بھی اسی کی شان ہے، وہ کسی سے بھی پیغام رسانی کا کام لے سکتا تھا لیکن قادرِ مطلق ہونے کے باوجود اس نے یہ دستور مقرر کیا کہ کبھی اپنا پیغام براہِ راست ہر کس و ناکس کو نہیں پہنچایا۔ اس نے اس کام کے لئے اپنے انبیاء و رسل کو واسطہ اور ذریعہ مقرر کیا جنہوں نے واسطہ وحی سے احکام الٰہی پا کر انہیں آگے لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیا۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا۔(۱)

”وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول

(۱) الجمعة، ۶۲:۲

(ﷺ) کو بھیجا۔‘‘

۲۔ براہ راست اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کی بجائے اس نے واسطۂ رسالت ﷺ کو مقرر کیا ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ط وَاللهُ يَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْکٰفِرِيْنَ o(۱)

’’اے (برگزیدہ) رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اس (رب) کا پیغام پہنچایا ہی نہیں، اور اللہ (مخالف لوگوں سے آپ (کی جان) کی (خود) حفاظت فرمائے گا۔ بے شک اللہ کافروں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا o‘‘

لہٰذا واسطہ مقرر کرنا خود اللہ تعالیٰ کا دستور اور سنت ہے۔ اس کا شرک سے کوئی تعلق نہیں۔

۹۔ توحید اور واسطۂ علم

ذاتی، قدیم اور لامتناہی علم کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس پر قادر ہے۔ وہ تنہا اور اکیلا ہی اس صفت کا مالک ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی فرد اپنی ذاتی استعداد سے اُمورِ غیبیہ پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ رب ذوالجلال اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے لئے عطا و اطلاع ثابت و جائز ہے۔ انبیاء و رسلِ عظام علیہم السلام کے واسطۂ علم کا انکار ضلالت و گمراہی کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اگر انبیاء کرام کو علمِ غیب عطا نہ ہو تو نبوت کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا۔ نبوت کا تو معنی ہی غیب پر مطلع ہونا ہے۔ نبی اس ہستی کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرے۔

(۱) المائدة، ۵: ۶۷

قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب انبیاء و رسل علیھم السلام کو عطا فرمایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو تو اللہ ﷻ نے دیگر انبیاء علیھم السلام سے بڑھ کر علمِ غیب کے خزانے عطا فرمائے ہیں۔ اسی طرح متعدد احادیثِ مبارکہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا تھا۔ اس پر تفصیلی بحث اسی کتاب کی پہلی جلد ’’اقسام التوحید‘‘ کے ذیل میں **توحید فی العلم** میں گزر چکی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍo (۱)

’’اور غیب کی کُنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت میں) ہیں انہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا، اور وہ ہر اس چیز کو (بلاواسطہ) جانتا ہے جو خشکی میں اور دریاؤں میں ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر (یہ کہ) وہ اسے جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی (ایسا) دانہ ہے اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب میں (سب کچھ لکھ دیا گیا ہے)o‘‘

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَo (۲)

’’اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہےo‘‘

(۱) الانعام، ۶: ۵۹

(۲) النحل، ۱۶: ۸۹

اس طرح کی تمام آیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ علمِ نبوت کا منبع وحی الٰہی ہے۔ جب قرآن میں تمام علوم و معارف درج ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام علوم و معارف کے خزانے عطا فرمائے اب ہمارے لئے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ علوم و معارف نبوت کا اقرار ہی حصولِ ہدایت کے لئے عظیم واسطہ ہے۔

۱۰۔ توحید اور واسطۂ رضا

حضور نبی اکرم ﷺ کی رضا اور خوشنودی جزوِ ایمان ہے۔ آپ ﷺ کی رضا، رضائے الٰہی کا واسطہ ہے۔ اس حقیقت سے کوئی بندۂ مومن اِنکار نہیں کر سکتا کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و رضا ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا اور الگ الگ تصور کیا جائے تو اس کا نتیجہ ایمان کی بربادی کی صورت میں نکلے گا۔ اللہ ﷻ خود اپنے محبوب نبی ﷺ کی رضا چاہتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ ج فَلَنُوَلِّيَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ص (۱)

''(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔''

سورۂ الضحی میں اِرشادِ باری تعالی ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی o (۲)

''اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو

(۱) البقرہ، ۲: ۱۴۴

(۲) الضحی، ۹۳: ۵

جائیں گے o''

یہ بات بھی نصِ صریح سے ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی رضا، اللہ تعالیٰ کی رضا ہے یعنی ان دونوں میں بھی حکمی وحدت ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ o(۱)

''مسلمانو! (یہ منافقین) تمہارے سامنے اللہ کی قَسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے (تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول ﷺ کو راضی کرتے، رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے)o''

آیتِ بالا کے الفاظ یُرْضُوْہُ میں ''ہُ'' ضمیرِ واحد ہے، حالانکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کی رضا کا بیان ہے۔ عربی زبان میں دو کے لئے ضمیر کا صیغہ واحد نہیں بلکہ تثنیہ استعمال ہوتا ہے۔ قاعدہ کی رو سے یہاں ''ہُ'' کی بجائے ''هُمَا'' ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ مقصودِ بیان یہ باور کرانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ میں دوئی نہیں ان کی رضا ایک ہی شمار ہوتی ہے۔ اس کے رسول ﷺ کا راضی کرنا اُسے راضی کرنا ہے پس ''ہُ'' ضمیرِ واحد لا کر وحدتِ رضا کا تصور دیا گیا تو ثابت ہوا کہ رضائے رسول ﷺ رضائے الٰہی ہے اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بھی انحراف عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ رضائے رسول ﷺ ہی رضائے الٰہی کے لئے واسطہ و وسیلہ ہے۔ اگر کوئی شخص رضائے رسول ﷺ کو نظر انداز کر کے رضائے الٰہی کے حصول کا طلب گار ہو تو شرعاً اس کا یہ عمل قابلِ قبول نہیں بلکہ ایسا شخص زمرۂ منافقین میں شمار ہوگا کیونکہ درِ رسول ﷺ سے رُوگردانی بارگاہِ الٰہی سے رُوگردانی ہے۔ اس لئے کہ اللہ ﷻ نے اپنی رضا کے حصول کے لئے حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی رضا کو واسطہ قرار دیا ہے۔

(۱) التوبۃ، ۹: ۶۲

۱۱۔ توحید اور واسطۂ توسل

عقیدۂ توسُّل نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ اس لیے اس کے شرعی جواز کے بارے میں مطلقاً انکار آیاتِ قرآنی سے انکار کے مترادف ہے۔ توسُّل درحقیقت بندے کا اللہ رب العزت کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اپنی دعا کی قبولیت اور حاجت برآری کے لئے اپنی عاجزی اور بے کسی کے اعتراف کے ساتھ کسی مقبول عمل یا مقرّب بندے کا واسطہ پیش کرنا ہے تاکہ بندۂ گنہگار کی دُعا جلد قبول ہو۔ کسی کو بطور وسیلہ پیش کرنے میں ہرگز ہرگز یہ عقیدہ کارفرما نہیں ہوتا کہ وہ مقبول و مقرب بندہ جس کا وسیلہ دیا جا رہا ہے دعا قبول کرے گا یا وہ اللہ بزرگ و برتر کو (معاذ اللہ) اس اَمر پر مجبور کر دے گا کہ فلاں کا کام ہونا چاہئے یا فلاں بندے کی بخشش و مغفرت لازماً کر دی جائے۔

توسُّل کا لغوی مفہوم

اَئمہ لُغت نے وسیلہ کو مقصد کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

۱۔ علامہ ابن اثیر جزریؒ (۵۴۴۔۶۰۶ھ) نے النهاية فی غريب الحديث والأثر میں لفظِ وسیلة کی تعریف یوں کی ہے:

اَلْوَسِيْلَةُ: هي في الأصل ما يُتَوَصَّلُ به إلى الشيء و يُتَقَرَّبُ به. [1]

”**وسیلہ** درحقیقت وہ واسطہ ہے جس کے ذریعے کسی شئے تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔“

اس معنی کی رو سے ہر وہ چیز جس کے ذریعے کسی کا قرب حاصل کیا جائے، اسے **وسیلہ** کہتے ہیں۔

(۱) ۱۔ ابن اثیر، النهايه فی غريب الحديث والأثر، ۵: ۱۸۵
۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۷۲۵
۳۔ زبیدی، تاج العروس، ۱۵: ۷۸۴

توسُّل کا شرعی مفہوم

بارگاہِ اِلٰہی میں قُرب حاصل کرنے یا اپنی کسی پریشانی، حاجت اور ضرورت کے وقت مراد کے حصول کے لئے بوقتِ دُعا کسی مقبول عمل، صالح بزرگ، یا بابرکت مقام کا واسطہ پیش کرنا توسل کہلاتا ہے۔ یعنی شرعی نقطۂ نظر سے ایسی چیز کو دعا کی قبولیت کا ذریعہ بنانا توسل ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قدر و منزلت رکھتی ہے، بارگاہ الٰہی میں اعمال صالحہ اور ذوات صالحہ دونوں ہی مقبول اور محبوب ہیں لہٰذا دونوں کو وسیلہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

تلاشِ وسیلہ کا قرآنی حکم

سورہ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور تقرب اور رسائی کے لیے وسیلہ تلاش کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰأَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ ابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○[1]

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ○‘‘

مذکورہ آیتِ مقدسہ میں وَ ابْتَغُوْآ إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ فرما کر تلاشِ وسیلہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہی یہ آیت کریمہ توسُّل کے جواز اور اس کی مشروعیت پر نصِ صریح کا درجہ رکھتی ہے۔

اکثر علماء نے آیت کے ان اَلفاظ سے اَنبیاء، صلحاء اور اَولیاء کی ذواتِ مقدسہ مرادلی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ إِتَّقُو اللهَ میں ایمان، اَعمالِ صالحہ اور عبادات سب شامل ہیں۔ قرب و حضور الٰہی کا وسیلہ جہاں اَعمالِ صالحہ اور اِیمان بنتا ہے وہاں اللہ کے انبیاء اور اولیاء بطریق اولی ہیں۔ اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۴ھ)

(۱) المائدہ، ۵:۳۵

نے ’’القول الجمیل[1] میں وسیلہ سے مراد بیعتِ مرشد جبکہ شاہ اسمٰعیل دہلوی نے ’صراطِ مستقیم میں وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے اور مزید برآں کہا:

بدون مرشد راه یابی نادر است۔[2]

’’مرشد کی راہنمائی کے بغیر (ہدایتِ ربانی) کا ملنا شاذ و نادر ہے۔‘‘

واسطہ توسل شرک نہیں نصِ قرآنی سے ثابت شدہ امرِ شرعی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ اِس اَمر کا پابند نہیں کہ قبولیتِ دعا کے لیے کسی اور کو اس کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے۔ وہ بلا واسطہ اپنے بندوں کی دعائیں سننے، قبول کرنے اور لطف و کرم سے نوازنے پر قادر ہے۔ لیکن یہ سنتِ الٰہیہ ہے کہ بہت سے نفوسِ قدسیہ اور اُمورِ صالحہ جو اُسے پسند اور محبوب ہیں اِن کی نسبت سے نہ صرف یہ کہ عمل بابرکت ہو جاتا ہے بلکہ دُعا کی قبولیت کا درجہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ رضائے اِلٰہی اور عطائے اِلٰہی کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کا توسل پیش کرنا شرک و بدعت نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا مشروع، مباح اور جائز طریقہ ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مقرّب و معزّز بندوں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنا ہے تا کہ دعاؤں کی جلدی قبولیت کی توقع کی جا سکے۔ قرآنِ حکیم اور اَحادیثِ مبارکہ میں ایسے بہت سے دلائل موجود ہیں جو نہ صرف وسیلہ کا جواز فراہم کرتے ہیں بلکہ اِس اَمر کو بھی واضح کرتے ہیں کہ حضور تاجدارِ کائنات ﷺ، دیگر اَنبیا علیھم السلام اور اَولیاء اللہ رحمھم اللہ کے توسّل سے دعا کرنا اَقرب اِلی الاِجابت ہے۔

بعض حضرات حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنے میں تامل کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگنا، اللہ ﷻ سے براہ راست مانگنے کے منافی ہے۔ وہ قرآن مجید کی ان آیات کا جن میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور کسی کو اس کا

(۱) شاہ ولی اللہ، القول الجمیل: ۳۴

(۲) اسمعیل دہلوی، صراطِ مستقیم: ۵۸

شریک نہ ٹھہرانے کا حکم ہے، صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی بنا پر خیال کرتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا (معاذ اللہ) کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانے کے مترادف ہے۔ یہ تصور کتاب و سنت کی روح کو نہ سمجھنے کے باعث پیدا ہوا ہے، ہمیں اس کی اِصلاح کرنی چاہیے۔ اَنبیاء و رسل علیھم السلام میں سے کسی کو، یا اللہ تعالیٰ کے کسی مقرّب اور صالح بندے کو یا کسی بھی عملِ صالح کو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے اس کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کرنا نہ تو کسی قسم کا شرک ہے اور نہ ہی براہ راست اللہ سے مانگنے کے منافی ہے۔

توسل منافیٔ توحید نہیں

کسی کو وسیلہ بنانے کے باوجود اللہ جل جلالہ ہی سے مانگا جاتا ہے' صاحبِ وسیلہ سے نہیں۔ شرک کا اِرتکاب تو تب ہو کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی اور کو بالذّات نفع و نقصان کا مالک' قادر مطلق اور دعائیں سننے والا سمجھا جائے۔ یہاں سرے سے ایسا معاملہ ہی نہیں۔ دعا فقط اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاتی ہے اور اس سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی، کسی نیک عمل یا کسی ایسے مقرب بندے کا واسطہ دیا جاتا ہے جس سے خود اللہ تعالیٰ کو محبت ہو اور جس کا وہ عام مخلوق سے کہیں بڑھ کر حیا اور لحاظ فرماتا ہو۔ لہٰذا ایسا وسیلہ پیش کرنے سے جہاں خود کلماتِ دعا کی برکت اور تاثیر میں اضافہ ہوجاتا ہے وہاں اس کی بارگاہِ عالی میں شرفِ قبولیت پانے کے اِمکانات پہلے سے کہیں زیادہ ہوجاتے ہیں کیونکہ اب بندے کی اِلتجا کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی اپنی محبت بھی اس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو اپنے وسیلہ جلیلہ سے دعا مانگنے کی تلقین فرمائی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مروی ہے۔[1] اسی

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر العَبَّاسِ بنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ رضی اللہ عنهما، ۳: ۱۳۶۰، رقم: ۳۵۰۷

طرح ایک مرتبہ جب مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑ گیا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل مدینہ کو توسّلاً حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی طرف بھیجا اور اس کی برکت سے موسلا دھار بارش ہوئی۔ (۱) الغرض یہ مبارک عمل حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرامؑ سے لے کر خود عہد رسالت مآب ﷺ تک اور پھر عہد صحابہ و تابعین سے لے کر تاحال اُمت میں مقبول اور متداول چلا آ رہا ہے۔ اب بعض لوگ دین کی صحیح معرفت نہ ہونے کے باعث اس پر اعتراض کرنے لگے ہیں اور اسے (معاذ اللہ) توحید کے منافی سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بات بات پر کفر و شرک کے فتوے جاری کرنے کی بجائے احکام شریعت کی حقیقی روح کو سمجھا جائے۔

۱۲۔ توحید اور واسطۂ تبرک

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انبیاء و صالحین علیہم السلام سے منسوب چیزیں بڑی بابرکت اور فیض رساں ہوتی ہیں۔ نصوصِ شرعیہ سے استنباط کر کے ائمہ حدیث و تفسیر نے آثارِ صالحین سے حصولِ برکت کا شرعی جواز قوی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ یہ ایک سادہ سی حقیقت ہے کہ کسی چیز کے اندر خیر و برکت کا ہونا ہرگز منافیٔ توحید نہیں۔

تبرک کا لغوی معنیٰ و مفہوم

تبرک کے معنی ہیں ''کسی سے برکت حاصل کرنا، اضافہ اور نیک بختی چاہنا۔ لفظِ تبرک کا مادہ ''بَرَکَ'' ہے جو بَرَکَ البعیر سے ماخوذ ہے یعنی ''اُونٹ کا بیٹھنا''۔ اُونٹ کسی جگہ جم کر اور ایک خاص ہیئت کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ اس طرح وہ سکون و راحت اور آسودگی پاتا ہے۔ تبرکات کے اندر چونکہ عزت اور خیر و برکت کی صفت نمایاں ہوتی ہے، اس لئے ان کو تبرک کہتے ہیں۔ برکت بمعنی اضافہ بھی ہے۔ (۲)

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۰: ۳۹۵، ۳۹۶

۲۔ ابن اثیر، النهاية، ۱: ۱۲۰

(۲) سنن الدارمی، ۱: ۴۳، رقم: ۹۳

جیسے دعائے نبوی میں ہے۔

وَ بَارِکْ لِیْ فِیْمَا أَعْطَیْتَ. (۱)

''اور جو نعمت تو نے مجھے دی ہے اس میں برکت عطا فرما۔''

امام راغب اصفہانی نے اس کا ایک معنی خیرِ الٰہی لکھا ہے:

وَالْبَرَکَةُ ثُبُوْتُ الْخَیْرِ الإِلٰھِیِ فِی الشَّیْءِ. (۲)

''برکت کا معنی ہے کسی شے کے اندر خیر الٰہی کا پایا جانا۔''

تبرک کا شرعی مفہوم

قرآن و سنت کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض چیزوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت رکھی ہے۔ ان بابرکت اشیاء سے برکت و رحمت اور سعادت چاہنا اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا تبرک کے مفہوم میں شامل ہے۔

برکت اور تبرک قرآن و حدیث کے مستند دلائل سے ثابت شدہ امر شرعی ہے۔ اللہ رب العزت نے خانہ کعبہ کو برکت والا گھر قرار دیا اور فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ. (۳)

''بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکّہ میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لئے (مرکزِ) ہدایت ہے''

اس آیت کریمہ میں برکت کا ثبوت ہے۔

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی القنوت فی الوتر، ۲: ۳۲۸، رقم: ۴۶۴

(۲) راغب الأصبهانی، المفردات: ۴۴

(۳) ال عمران، ۳: ۹۶

۲۔ مسجد اقصیٰ کے گرد و نواح کو انبیاء کرام کا مسکن ہونے کی وجہ سے بابرکت بنا دیا۔ ارشاد فرمایا گیا:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ○(۱)

''وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے○''

ائمہ تفسیر نے بابرکت ماحول کی یک بڑی وجہ انبیاء علیہم السلا کے مزارات قرار دیا ہے جو فلسطین اور بالخصوص القدس شریف کی سرزمین میں موجود ہیں۔

اَنبیاء علیہم السلام نے واسطۂ تبرک اختیار کیا

نصِ قرآنی سے ثابت ہے کہ اللہ رب العزت کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام نے تبرک و تیمن کا واسطہ اختیار کیا جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ عمل شرک اور خلافِ توحید نہیں۔ مثلاً:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اور اپنے والدِ گرامی حضرت **یعقوب** علیہ السلام کے درمیان قمیص کا واسطہ قائم کیا۔ **حضرت زکریا** علیہ السلام نے محراب مریم علیہا السلام سے برکت اور تبرک و تیمن کا واسطہ اختیار کیا جو شرک نہ ہوا۔ **ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم** علیہ السلام کے مبارک قدم تعمیر کعبہ کے دوران جس پتھر پر لگے وہ بھی باعث خیر و برکت اور تکریم و تعظیم ہوا، لوگ آج تک اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ **حضرت موسیٰ** علیہ السلام اور **حضرت ہارون** علیہ السلام کے

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱

تبرکات کا ذکر قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے باقاعدہ اہتمام کے ساتھ ایک خاص تاریخی پس منظر میں فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ أَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (۱)

’’اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا اس کی سلطنت (کے مِنْ جانبِ اللہ ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکونِ قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا، اگر تم ایمان والے ہو تو بے شک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے○‘‘

اس آیت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر نے تَرَک سے مراد تبرکات لیے ہیں۔ اس کی تفصیل کم وبیش تفسیر کی ہر کتاب مثلاً تفسیر **بغوی، قرطبی، جلالین، کبیر، بیضاوی، روح البیان، جمل، روح المعانی، خازن، مدارک، کشاف** اور **المظهری** وغیرہ میں ہے۔

تبرک اختیار کرنے میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں ہے

تبرک وتیمّن کا واسطہ درحقیقت برکت اور فیض حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ جب ہم اپنے اور کسی چیز کے درمیان برکت حاصل کرنے کیلئے واسطہ قائم کر رہے ہوتے ہیں تو چونکہ یہ واسطہ عبادت نہیں ہوتا اس لئے اس میں شرک کا کوئی احتمال نہیں۔ جیسے مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے حجر اسود، رکن یمانی اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تیمن وتبرک کا واسطہ اختیار کیا جاتا ہے۔ جب حجر اسود سے برکت کا حصول شرک نہیں تو کسی پیغمبر یا ولی اللہ سے واسطہ تیمن یا واسطہ تبرک شرک کیسے ہوگا؟ اگر ایک پتھر کو واسطہ بنا لینا جائز ہو اور انبیاء و

(۱) البقرة، ۲: ۲۴۸

اولیاء کو واسطہ بنانا ناجائز اور شرک تصور کیا جائے تو یہ حقیقی تصورِ دین کے خلاف ہے۔

کوئی بھی مؤمن جب کسی چیز سے تبرک حاصل کرتا ہے تو صحیح عقیدہ کے مطابق وہ مؤثرِ حقیقی اس ذاتِ وحدہ لا شریک کو مانتا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں تمام سعادتیں اور برکتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص ان اماکن و اشخاص سے بالذات تاثیر کا عقیدہ رکھے تو یہ جائز نہیں۔

۱۳۔ توحید اور واسطۂ استعانت

دنیوی، دینی اور روحانی اعتبار سے ایک دوسرے کی مدد کرنا اِسلامی معاشرتی آداب و اخلاق کا حصہ ہے۔ اِسلام نے اہل ایمان کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد و اِعانت کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک دوسرے کی مدد و استعانت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِo (۱)

’’اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ (نافرمانی کرنے والوں کو) سخت سزا دینے والا ہےo‘‘

کثرت کے ساتھ احادیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اس کے لئے اللہ کے ہاں انعامات ہیں۔ اس مدد کرنے کے عمل ہی کو اصطلاحًا استغاثہ اور استعانت کہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) القرآن، المائدہ، ۵: ۲

وَاللهُ فِي عَوْنِ الْمَرْءِ مَا كَانَ فِي عَوْنِ أَخِيهِ.(۱)

’’اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔‘‘

اس طرح مدد و استعانت وہ طریقہ اور طرزِ عمل ہے جو نہ صرف جائز بلکہ اسلامی ضابطۂ حیات کا لازمی تقاضا ہے۔ استعانت اور استغاثہ کے اس عمل کو شرک قرار دینا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

استعانت و استغاثہ کا لغوی معنی و مفہوم

اَہلِ لُغت کے نزدیک اِستغاثہ اور اِستعانت دونوں اَلفاظ مدد طلب کرنے کے معنی میں آتے ہیں۔ عون سے استعانت ہے اور غوث سے استغاثہ ہے۔ استعانت اور استغاثہ دراصل مترادف الفاظ ہیں۔اِمام راغب اِصفہانی ؒ لفظِ اِستعانت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَ الإِسْتِعَانَةُ: طَلَبُ الْعَوْنِ.(۲)

’’استعانت کا معنی مدد طلب کرنا ہے۔‘‘

استغاثہ، کا اصل مادہ غَاثَ يَغُوث غَوْثًا ہے۔ جس کا معنی مدد کرنے کے

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، ۴:۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلہ عن رسول اللہ ﷺ، مسلم، باب ماجاء فی الشر علی المسلم، ۴:۳۲۶، رقم: ۱۹۳۰

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۵۲، رقم: ۷۴۲۱

(۲) راغب اصفہانی، المفردات في غریب القرآن: ۵۹۸

آتے ہیں۔ استغاثہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے امام راغب لکھتے ہیں:

وَاسْتَغَثْتُهُ، طَلَبْتُ الغَوْثَ. (۱)

’’میں نے فلاں شخص سے استغاثہ کیا یعنی میں نے اس سے مدد طلب کی۔‘‘

اسی سے لفظ غوث بھی ہے جس کا معنی مددگار اور فریادرس ہے اس میں دستگیری اور نجات کا معنی پایا جاتا ہے۔

تصوف وطریقت میں ولایت کا ایک درجہ ہے جس پر فائز ہستی کو غوث کہا جاتا ہے

میر سید شریف الجرجانی (۷۴۰۔۸۱۶ھ) کتاب التعریفات میں لکھتے ہیں:

الغوث: هو القطب حين ما يلتجأ إليه ولا يسمىٰ فی غير ذلک الوقت غوثاً. (۲)

’’غوث (درجۂ ولایت میں) وہ قطب ہے جب اس سے (دُعا کی) التجا کی جاتی ہے۔ اس وقت کے علاوہ وہ غوث نہیں کہلاتا (قطب ہی رہتا ہے)۔‘‘

یہی کلمہ مجازی معنوں میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ﷛ کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ عوام وخواص میں غوث الاعظم اور دستگیر کے القابات سے جانے جاتے ہیں کیونکہ اپنے تقویٰ تقرب اور بلند مقام کی وجہ سے وہ مستجاب الدعوات مشہور تھے۔

بعض لوگ ان کے اس معروف لقب ’’غوث الاعظم‘‘ پر اعتراض کرتے ہیں کہ غوث الاعظم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ فی الحقیقت ایسا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی مدد کرنے والا اور فریادرس ہے تاہم وہ بعض بندوں کو ان کی للّٰہیت اور تقویٰ کی بنیاد پر اپنی

(۱) راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن: ۳۶۷
(۲) التعريفات: ۲۰۹

اس صفت کا مظہر بنا دیتا ہے۔ ان کی مدد اور اعانت دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی مدد ہے۔ یہ لوگ خود سے لوگوں کے فریاد رس یا مددگار نہیں کہلاتے اور نہ دعویٰ کرتے ہیں بلکہ لوگوں کی درخواستوں اور دعاؤں کی سفارش کرتے ہیں۔ چنانچہ نیک بندوں کی دعا عام لوگوں کے مقابلے میں جلد قبول ہوتی ہے۔

متفق علیہ حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے کسی بات کو پوری کرنے کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا فرما دیتا ہے۔(۱)

استعانت و استغاثہ کا شرعی تصور

لفظِ استعانت قرآنِ مجید میں طلبِ عون کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں بندوں کو آدابِ دُعا سکھاتے ہوئے قرآنِ مجید فرماتا ہے:

وَ إِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ o(۲)

''اور ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیںo''

بعض لوگ اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ کے معنی سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں اسی طرح استغاثہ بھی اللہ تعالیٰ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله والجروح قصاص، ۴: ۱۶۸۵، رقم: ۴۳۳۵

۲۔ مسلم، کتاب القصاص، باب: القصاص فی الاسنان، ۳: ۱۳۰۲، رقم: ۱۶۷۵

۳۔ مسلم، کتاب البروالصلة، باب فضل الضعفاء والخاملین، ۴: ۲۰۲۴، رقم: ۴۶۲۲

(۲) القرآن، الفاتحه، ۱: ۴

کے سوا کسی اور سے جائز نہیں۔ ان کا یہ استدلال تعلیماتِ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ القرآن یفسر بعضه بعضاً کے تحت استعانت و استغاثہ کا جواز خود قرآن حکیم سے فراہم ہوتا ہے۔ لفظِ اِستغاثہ کا اِستعمال قرآنِ حکیم میں خالق اور مخلوق دونوں کے لئے ہوا ہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کا بارگاہِ رب العزت میں استغاثہ کا ذکر سورۂ انفال میں یوں بیان ہوا ہے:

إِذْ تَسْتَغِيْثُونَ رَبَّكُمْ.(۱)

’’جب تم اپنے ربّ سے (مدد کے لئے) فریاد کر رہے تھے۔‘‘

جبکہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اُن کی قوم کے ایک فرد کا استغاثہ کرنا بھی سورۃ القصص میں ان الفاظ کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِيْعَتِهِ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهِ.(۲)

’’تو جو شخص اُن کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دُشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی۔‘‘

استغاثہ اگر جائز نہ ہوتا تو جس شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی تھی اللہ تعالی قرآن میں استغاثہ کی بجائے کچھ اور ارشاد فرما دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے براہِ راست لفظِ اِستغاثہ ارشاد فرمایا تو گویا کسی دوسرے سے مدد طلب کرنے کا جواز قرآن مجید کی نص سے ثابت ہوا۔

قرآن حکیم میں صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کی تلقین کی گئی ہے یعنی صبر اور نماز بارگاہِ الٰہی سے حصولِ اِستعانت کا واسطہ اور ذریعہ ہیں۔ ارشادِ

(۱) القرآن، الانفال، ۸:۹

(۲) القرآن، القصص، ۲۸:۱۵

باری تعالیٰ ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَo[1]

’’اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہےo‘‘

اس طرح کی متعدد آیات میں باری تعالیٰ کا حکم براہِ راست طلب استعانت کا نہیں بلکہ بواسطہ صبر و صلوٰۃ اللہ تعالیٰ سے استعانت کا ہے۔ اگر یہ عملِ توسط شرک ہوتا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہرگز کسی واسطے کا ذکر نہ فرماتا۔

استغاثہ میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں

یہ امر واضح ہے کہ حقیقی استعانت و استغاثہ خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ بہر طور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ مستعانِ حقیقی، فاعلِ حقیقی اور مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی انبیاء و اولیاء سب اللہ تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہیں۔ اَحادیثِ مبارکہ میں جا بجا مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِستغاثہ و اِستمداد کرتے تھے۔ اپنے اَحوالِ فقر، مرض، مصیبت، حاجت، قرض اور عجز وغیرہ کو بیان کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی پریشانیوں کا مداوا اور مسائلِ حیات کا اِزالہ کرتے تھے۔ اِس عمل میں اُن کا عقیدہ یہی تھا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک واسطہ اور سبب ہیں جبکہ حقیقی فاعل تو صرف اللہ جل جلالہ ہی کی ذات ہے۔

پس وہ اِستعانت واِستغاثہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشا اور حکم کے خلاف ہو، ممنوع اور شرک ہے۔ لیکن اگر توسل و شفاعت کیلئے اللہ کے اذن اور اَمر کے تابع اور مومنین کے لئے توسلاً ہے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی اَمر مانع نہیں۔

---

(۱) القرآن، البقرۃ، ۲: ۱۵۳

۱۴۔ توحید اور واسطۂ عطا

اللہ ﷻ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ جسے چاہے اور جو چاہے عطا کردے کہ وہ ایسا کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ اس کی ہر شان بالذّات ہے۔ اس کی عطا مخلوق کی عطا جیسی نہیں ۔مخلوق کی ہر عطا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔ مثلاً حضور نبی اکرم ﷺ بے شمار خزانوں کے مالک ہیں اور یہ تمام خزانے اللہ تعالی کے عطا کردہ ہیں جسے آپ ﷺ مخلوق میں تقسیم فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

وَ اِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي(۱)

’’میں تو بس تقسیم کرنے والا ہوں اور عطا کرنے والا اللہ تعالی ہے۔‘‘

اللہ ﷻ نے حضور نبی اکرم ﷺ پر جو عطائیں کی ان میں جنت بھی شامل ہے۔ حضرت ربیعہ بن کعب اَسلمی رضی اللہ عنہ عطائے رسول ﷺ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهِ وَحَاجَتِهِ، فَقَالَ لِي: سَلْ! فَقُلْتُ: أَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ؟ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ.(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقهه فی الدین، ۱: ۳۹، رقم: ۷۱

۲۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۷: ۱۰، رقم: ۴۴

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۳۹۰، رقم: ۹۱۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود و الحث علیہ، ۱: ۳۵۳، رقم: ۴۸۹

۲۔ أبوداود، السنن، أبواب قیام اللیل، باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل، ۲: ۳۵، رقم: ۱۳۲۰

←

’’میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور آپ ﷺ کی طہارت اور وضو کے لئے پانی لاتا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا: جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مزید کچھ اور مانگ، میں نے عرض کیا مجھے یہی کافی ہے۔‘‘

اِس حدیثِ مبارکہ سے اِستنباط کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ مَكَّنَهُ مِنْ إِعْطَاءِ كُلِّ مَا أَرَادَ مِنْ خَزَائِنِهِ تَعَالٰى. (۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے جو چاہا آپ ﷺ کو عطا کرنے (کے منصب) پر متمکن فرما دیا۔‘‘

نیز فرماتے ہیں:

و از اطلاق سوال که فرمود ’’سَلْ‘‘ بخواه و تخصیص نه کرد بمطلوبے خاص، معلوم مے شود که کار همه بدست همت و کرامت اوست ﷺ۔ هر چه خواهد هر کرا خواهد باذن پرورد گار خود بدهد۔ (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے جو مطلقاً ’’سَلْ‘‘ فرمایا کہ ’’مانگو‘‘ اور اسے کسی خاص مطلوب کے ساتھ مقید نہ کیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اُمور حضور نبی

……۳۔ نسائی، السنن، کتاب الافتتاح، باب فضل السجود، ۲:۲۲۷، رقم: ۱۱۳۸

(۱) عبد الحق محدث دهلوی، لمعات التنقیح، ۳: ۱۷۲

(۲) عبد الحق محدث دهلوی، أشعة اللمعات، ۱: ۳۹۶

اکرم ﷺ کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ ﷺ جو کچھ چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اِذن سے عطا فرماتے ہیں۔‘‘

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی منفرد شان جود و سخا ہے کہ آپ اپنے غلاموں کو فیاضی سے عطا کرتے ہیں، اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی اس شان کو نسبت بھی اپنی طرف کرکے ایک تعلق اور واسطہ قائم کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ لا وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ سَيُؤْتِيْنَا اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ لا اِنَّآ اِلَى اللهِ رٰغِبُوْنَo[1]

’’اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (ﷺ) (مزید) عطا فرمائے گا۔ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول ﷺ اس کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اللہ ہی کا دینا ہے اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ کرتے تو یہ بہتر ہوتا)o‘‘

حقیقتاً عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے اذن سے عطا کا واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ مالِ غنیمت کو تقسیم تو حضور نبی اکرم ﷺ نے کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اپنی عطا قرار دیا، فرمایا:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ.[2]

اور وہ (اسلام اور رسول ﷺ کے عمل میں سے) اور کسی چیز کو ناپسند نہ کر سکے سوائے اس کے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنے فضل سے غنی کر

(۱) التوبة، ۹: ۵۹

(۲) التوبة، ۹: ۷۴

دیا تھا۔‘‘

مالِ غنیمت رسول ﷺ نے عطا کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس عطا کو اپنا فضل قرار دیا۔ اس طرح مالِ غنیمت جب اکٹھا ہو کر رسول ﷺ کی ملکیت میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت بھی اپنی طرف کر دی اور اللہ اور رسول ﷺ کی ملکیت کو ایک ہی قرار دیا فرمایا:

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ.(۱)

’’فرما دیجئے! اموالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسول (ﷺ) ہیں۔‘‘

جب ملکیت ایک ہے تو عطا بھی ایک ہے۔ وحدتِ ملکیت و عطا کے حوالے سے قرآن مجید میں کئی مقامات پر ذکر ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ نے اس نسبت کے ذریعہ اپنے رسول ﷺ کی تعظیم و تکریم کی انتہاء کر دی۔ اپنے رسول ﷺ کی عطا کو اپنی عطا کا واسطہ قرار دیا کہ اُمت پر رسول ﷺ کی طرف سے جو عطائیں ہوتی ہیں وہ حقیقت میں اللہ کی عطائیں اور فضل ہے۔ اللہ ﷻ اور نبیٔ مکرّم ﷺ کے درمیان عطا اور ملکیت کا اشتراک بھی ایک تعلق اور واسطہ ہے جس کے ذریعہ اللہ ﷻ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کی شان و عظمت کو مزید اجاگر فرمایا ہے۔

۱۵۔ توحید اور واسطۂ شفاعت

شفاعت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو یہ اعزاز اور مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے خطا کار و گنہگار بندوں کی شفاعت کریں گے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بے پایاں فضل و کرم سے اپنے گنہگار بندوں کے حق میں اپنے خاص بندوں کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ جس کے نتیجے میں گنہگار بندوں کی بخشش و مغفرت فرما کر ان کو اپنے انعام یافتہ بندوں کے طفیل اپنی رضا اور جنت عطا فرمائے گا۔

(۱) الانفال، ۸: ۱

قرآن و حدیث کی نصوصِ قطعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ روزِ قیامت جملہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین شفاعت فرمائیں گے جبکہ شفاعتِ کبریٰ کے منصبِ جلیلہ پر حضور نبی اکرم ﷺ ہی فائز ہوں گے۔ قرآنِ حکیم نے مقامِ محمود سے تعبیر کیا ہے یہ منصب آپ ﷺ کے مہتم بالشان اعزازات و کرامات اور بلند مرتبہ فضائل و خصائص اور نمایاں امتیازات میں سے ایک ہے۔

شفاعت کا لغوی معنیٰ

امام راغب اصفہانیؒ نے شفاعت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الشَّفَاعَةُ الإِنْضِمَامُ إِلٰى آخَرَ نَاصِرًا لَهُ وَسَائِلًا عَنْهُ. (۱)

”کسی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح ملا لینا کہ دوسری چیز اس کی مدد کرے اور پہلی اس سے سوال کرے یہی شفاعت ہے۔“

شفاعت میں مطلقاً ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لفظِ شفاعت میں ایک (شَفِیع) کا دوسرے کی مدد و نصرت کرنے اور دوسرے کے سائل و ملتجی ہونے کا مفہوم بھی موجود ہے۔ پس لفظِ شفاعت دونوں کو آپس میں اس طرح ملا دیتا ہے کہ کم حیثیت والا زیادہ حیثیت والے سے التجا و سوال کرنے والا اور زیادہ حیثیت والا کم حیثیت والے کی مدد کرنے والا بن جاتا ہے۔

شفاعت کا شرعی تصور

اللہ تعالیٰ کے اِذن سے شفاعت کرنا قرآن کی نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ اِس پر متعدد قرآنی آیات شاہد عادل ہیں۔ لہٰذا شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر شفاعت نہیں ہوسکتی۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) راغب، المفردات فی القرآن: ۲۶۳

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ؕ[1]

’’کوئی ایسا شخص ہے جو اس کے حضور اس کے اِذن کے بغیر سفارش کر سکے۔‘‘

اِمام خازنؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والمعنی لا یشفع عنده احدا الا بامره و ارادته و ذالک لان المشرکین زعموا ان الاصنام تشفع لهم فاخبر انه لا شفاعة لأحد عنده إلا ما استثناه بقوله الا باذنه یرید بذالک شفاعة النبی ﷺ و شفاعة بعض الأنبیاء و الملائکة و شفاعة المؤمنین بعضهم لبعضٍ.[2]

’’آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بغیر اس کے امر اور ارادہ کے کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ یہ اس لئے کہ مشرکین کا گمان تھا کہ بت ان کی شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کی شفاعت نہیں سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے (اِلَّا بِاِذۡنِہٖ) کے ساتھ مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس سے حضور نبی اکرم ﷺ، اَولیاء وملائکہ اور مقرب مومنین کی دوسرے مومنین کی شفاعت مراد ہے۔‘‘

- ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اذنِ الٰہی کے بغیر شفاعت کا کوئی تصور نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی اِجازت کے بغیر شفاعت کسی کو فائدہ دے گی۔ شفاعت سے صرف ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، جو کافر، مشرک اور ظالم ہیں۔ لہٰذا شفاعت کی نفی کا مسلمانوں پر اطلاق کرنا ہی غلط، من گھڑت اور بے بنیاد بات ہے۔ اس استثناء سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو شفاعت کا حق دیا جائے گا اور انہیں شفاعت کرنے کی اجازت ہو گی۔

---

(۱) البقرہ، ۲: ۲۵۵

(۲) خازن، لباب التأویل فی معانی التنزیل، ۱: ۲۰۱

قُلْ اللهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا سے غلط استدلال کی تردید

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کے لئے جائز نہیں بطور دلیل یہ معترضین اس ارشاد باری تعالیٰ کا حوالہ دیتے ہیں:

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًاط لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِط ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَo(۱)

''فرما دیجئے: سب شفاعت (کا اِذن) اللہ ہی کے اختیار میں ہے (جو اس نے اپنے مقرّبین کے لئے مخصوص کر رکھا ہے)، آسمانوں اور زمین کی سلطنت بھی اسی کی ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےo''

درحقیقت اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں وہ ٹھوکر کھا گئے اور آیت کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ سے مراد یہ ہے کہ کفار و مشرکین جسے چاہیں شفیع نہیں بنا سکتے بلکہ شفاعت کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اذن شفاعت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اذن شفاعت سے محروم کر دیتا ہے کوئی اپنی مرضی سے کسی کو شفیع نہیں بنا سکتا۔

مطلقاً شفاعت کا انکار کفر ہے

عقیدۂ شفاعت ایک ایسا مسلمہ عقیدہ ہے جس پر امت کا اجماع ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے انبیاء، اولیاء، ماہِ رمضان، قرآن، نیک اعمال اور چھوٹے بچے سب ماذون الشفاعۃ ہیں۔ اس طرح نمازہ جنازہ میں بھی شفاعت کی دعا ہے ہر کوئی جانتا ہے کہ ہم معصوم بچوں کی نمازِ جنازہ میں ان کے لئے دعائے مغفرت نہیں کرتے جبکہ باقی ہر ایک کے لئے مغفرت کی دعا کی جاتی ہے۔ ان فوت شدہ معصوم بچوں کو دعا میں شفاعت کا وسیلہ

(۱) الزمر، ۳۹: ۴۴

بنایا جاتا ہے۔ دعا کے الفاظ ہیں: **اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَ مُشَفَّعًا** ’’اے اللہ! اس بچے کو ہماری شفاعت کرنے والا بنا دے۔‘‘ وہ لوگ جو شفاعت کا انکار کرتے ہیں وہ بھی جنازوں میں بچوں کے لئے یہی دعا پڑھتے ہیں جو الا باذنہ کی استثنائی شق (Exception Clause) میں سکھلائی گئی ہے۔

شفاعت پر آیاتِ قرآنی کے سیاق و سباق پر غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مطلق شفاعت کی نفی کہیں بھی نہیں کی گئی۔ بدقسمتی سے دین کا پرچار کرنے والے بعض لوگوں کے فہم دین کا یہ عالم ہے کہ ایک سادہ سی بات کو بھی الجھا دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو ان آیات تک محدود کر لیتے ہیں جن میں شفاعت کی نفی ہے۔ وہ یہ جاننے کی زحمت ہی نہیں کرتے کہ یہ نفیٔ شفاعت دراصل اصنام، طواغیت اور معبودانِ باطلہ کے لئے ہے۔ وہ ایسا کرتے ہوئے ان درجنوں آیات کو بھول جاتے ہیں جو شفاعت کی تصدیق کرتی ہیں اور جن میں شفاعت کا جواز و اثبات بھی ہے۔

۱۶۔ توحید اور واسطۂ ہدایت

توحید و ایمان کے باب میں واسطۂ ہدایت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کی وجہ سے کسی شخص کو ایمان و ایقان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ انسان ہر حال میں ہدایتِ الٰہی کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo (۱)

’’اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے o‘‘

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ط (۲)

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۱۳

(۲) الانعام، ۶: ۷۱

’’فرما دیں کہ اللہ کی ہدایت ہی (حقیقی) ہدایت ہے۔‘‘

حقیقتاً ہدایت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جب کہ انبیاء علیھم السلام ہدایت کا واسطہ ہیں، مالک نہیں۔ انبیاء علیھم السلام کا ہدایتِ ربانی کا باعث ہونا منافیٔ توحید نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس اور آپ ﷺ کے منصبِ ہدایت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo(۱)

’’اور بیشک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیںo‘‘

اس آیتِ کریمہ میں واضح طور پر بیان ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ انسانیت کے سب سے بڑے ہادی ہیں۔ آپ ﷺ کے بارے میں یہ فرمانِ الٰہی ہے کہ آپ ہادیٔ برحق ہیں اور راہِ حق کی ہدایت کر رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ سمیت جملہ انبیاء علیھم السلام عطائے الٰہی اور اذنِ الٰہی سے لوگوں کو راہِ حق کی ہدایت دیتے ہیں اور یہی درست عقیدہ ہے۔ جب اللہ ﷻ نے خود فرمایا کہ آپ ﷺ لوگوں کو ہدایت پہنچانے والے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیھم السلام کے بارے میں ہادی کا عقیدہ رکھنا ہرگز شرک نہیں۔ ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَo(۲)

’’وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول ﷺ) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگےo‘‘

(۱) الشوریٰ، ۴۲: ۵۲

(۲) التوبة، ۹: ۳۳

اللہ ﷻ کی ذات شانِ کریمی کی مالک ہے وہ ایمان وتقویٰ کو محبوب رکھتا ہے اور کفر و شرک اورنافرمانی کو سخت ناپسند فرماتا ہے۔ اللہ رب العزت کی شان ارحم الراحمین بھی ہے اور ''اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْرٌ'' بھی ہے۔ اور ''فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ'' بھی اُسی کی شان ہے۔ اِن سب شانوں کے باوجود نمرود و شداد، فرعون و ہامان اور ابوجہل و ابولہب جیسے نافرمان بھی گزرے مگر اللہ ﷻ نے جبر و اکراہ کے ساتھ اِن کو اپنا مطیع فرمانبردار نہیں بنایا بلکہ صرف رشد و ہدایت واضح کرنے کے لئے انبیائے و رسل علیہم السلام کو منصبِ اِبلاغ پر فائز فرما کر اِنسانوں کو اپنے ارادہ و اختیار سے ایمان و کفر اور خیر و شر کے انتخاب کا اختیار دیا۔ قرآنِ حکیم میں واضح طور پر ارشاد فرمایا:

فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ.(۱)

''پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے۔''

حالانکہ جبر و اکراہ کی صورت میں وہ تمام باغی و سرکش اور نافرمان لوگوں کو اپنا مطیع بنا سکتا تھا۔ اِس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَo(۲)

''اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر نفس کو اس کی ہدایت (از خود ہی) عطا کر دیتے لیکن میری طرف سے (یہ) فرمان ثابت ہو چکا ہے کہ میں ضرور سب (مُنکِر) جنّات اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دُوں گاo''

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے قادرِ مطلق ہونے کے باوجود انسانوں کے دلوں میں اپنی ہدایت براہِ راست القا نہیں فرمائی بلکہ اس ہدایت کو ایمان کا واسطہ بنایا جسے

(۱) الکہف، ۱۸: ۲۹

(۲) السجدة، ۳۲: ۱۳

لوگوں تک پہنچانے کے لیے اپنے برگزیدہ رسولوں کو مامور فرمایا۔

اسی طرح حضور سید عالم ﷺ سے بھی شانِ کریمی و رحیمی سے متصف ہیں۔ آپ ﷺ جمیع انسانوں کے مومن ہونے کو پسند کرتے ہیں اور کفر و شرک کو حد درجہ ناپسند فرماتے ہیں۔ قرآن حکیم میں متعدد آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌo(۱)

''بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیںo''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًاo(۲)

'' (اے حبیبِ مکرّم!) تو کیا آپ ان کے پیچھے شدتِ غم میں اپنی جانِ (عزیز بھی) گھلا دیں گے اگر وہ اس کلامِ (ربّانی) پر ایمان نہ لائے o''

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی ہدایت و رہنمائی اور دعوت و تبلیغ پر اکتفا فرمایا اور

(۱) التوبہ، ۹: ۱۲۸

(۲) الکہف، ۱۸: ۶

اپنی نورانی و باطنی نبوی طاقت کے ذریعے ہر ایک کو مشرف بہ اسلام نہ فرمایا کیونکہ یہ انداز حکمتِ ربانی کے خلاف تھا۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب و خلیفہ ہیں اور اس کے کارکنانِ قضاء و قدر کے سردار ہیں۔ اس لئے اس منصبِ عظیم اور حقِ خلافت و نیابت کا تقاضا بھی یہی تھا جس پر آپ ﷺ کاربند رہے۔

۱۷۔ توحید واسطۂ بیعت

بیعت کا معنی و مفہوم

احکامِ الٰہی کی بجا آوری، اَوامر و نواہی کی پابندی اور دین پر اِستقامت کے لئے عمل بیعت ایک مؤثر واسطہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور اس پر استقامت اور پختگی کے لئے آپ ﷺ کے دست اقدس میں اپنے ہاتھ دے کر عزم مصمم کرلیا کہ آئندہ اوامر و نواہی کی پابندی کریں گے۔ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجا لائیں گے اور اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اِیفائے عہد کا یہ عزمِ مصمم بیعت کہلاتا ہے۔ بعد ازاں جو راہِ سلوک میں بیعت کا طریقہ مروج ہوگیا، اسی بنیاد پر قائم ہوا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب حضور نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی تو اللہ عزوجل نے اس واسطہ سے انہیں اپنا مقرب بنایا اور بیعتِ رسول ﷺ کو اپنی بیعت قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللهَ ط يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ٥ (۱)

”(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے

(۱) الفتح، ۴۸: ۱۰

بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر جس شخص نے بیعت کو توڑا تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہو گا اور جس نے (اس) بات کو پورا کیا جس (کے پورا کرنے) پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ عنقریب اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گاo‘‘

پھر فرمایا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًاo(۱)

’’بیشک اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، سو جو (جذبۂ صدق و وفا) ان کے دلوں میں تھا اللہ نے معلوم کر لیا تو اللہ نے ان (کے دلوں) پر خاص تسکین نازل فرمائی اور انہیں ایک بہت ہی قریب فتحِ (خیبر) کا انعام عطا کیاo‘‘

اللہ ﷻ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت اور ان کی رضا کو اپنی رضا قرار دیا۔ اس سے یہ امر مترشح ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بیعت ایک ہی ہے۔ اسی طرح دونوں کی رضا ایک ہی ہے گویا بیعت کی نسبت اور تعلق کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے درمیان قرب و رضا کا ایک واسطہ بنایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی بیعت قرار دیا اور دستِ مصطفیٰ کو دستِ خدا قرار دیا۔ اہلِ ایمان نے رضائے رسول ﷺ کی خاطر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رضا کا مژدہ سنایا۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کرنا بھی قربِ خداوندی کے لئے واسطہ تھا۔ اسی طرح پیر و مرشد کے ہاتھ

(۱) الفتح، ۴۸: ۱۸

پر خدا اور رسول ﷺ کے عطا کردہ اوامر و نواہی پر پابندی کے لئے پختہ عہد کرنا بیعت ہے۔ یہ بیعت ایک واسطہ اور وسیلہ ہے جو قرآن و احادیث سے ثابت ہے، جس کا مقصود و مطلوب قربِ خداوندی ہے۔ اتباعِ شریعت میں ثابت قدمی کے لئے کسی عالم ربانی اور متبع شرع صاحبِ تقویٰ وطہارت، نیک سیرت برگزیدہ ہستی کی صحبت اختیار کرنا منشائے شریعت ہے یہ منافیٔ توحید نہیں۔

۱۸۔ توحید اور واسطۂ اَفعال

حضور نبی اکرم ﷺ مظہرِ فعلِ الٰہی ہیں اس لئے فعلِ رسول ﷺ فعلِ الٰہی ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس حقیقت کو واشگاف لفظوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فعل اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ط(۱)

”اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے اور یہ (اس لئے) کہ وہ اہلِ ایمان کو اپنی طرف سے اچھے انعامات سے نوازے۔“

۲۔ رسول ﷺ کا بلاوا اللہ تعالیٰ کا بلاوا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ج(۲)

”اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (ﷺ) تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں

---

(۱) الانفال، ۸: ۱۷

(۲) انفال، ۸: ۲۴

جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول (ﷺ) کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔‘‘

۳۔ کلامِ رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام قرار دیا ارشاد فرمایا:

وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰیo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیo[1]

’’اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتےo اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہےo‘‘

ان آیات میں یہی بنیادی نکتہ واضح ہوا کہ اللہ ﷯ نے اپنے برگزیدہ محبوب نبی ﷺ کے افعال کو اپنا فعل قرار دیا اور اس نسبت اور واسطۂ اَفعال کے ذریعہ اپنے نبی ﷺ کو مقامِ قرب عطا فرمایا۔ وہ برگزیدہ رسول ﷺ جس کا ہر ہر عمل مظہرِ فعل الٰہی ہو وہ کسی اور فردِ بشر کے مثل نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اللہ کے احکامات اور اَوامر و نواہی کے نفاذ میں باری تعالیٰ کے قائم مقام اور نائب ہے۔

۱۹۔ توحید اور واسطۂ ولایت

اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو اپنی ولایت سے نوازتا ہے۔ خدا اور بندوں کے درمیان اس واسطہ سے جو ربط و تعلق قائم ہوتا ہے اس کو ولایتِ رحمانی کہتے ہیں۔ ولایتِ رحمانی کا سب سے بڑا مظہر انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ واسطۂ ولایت کا دوسرا نام ایمان اور تقویٰ ہے۔ جتنا ایمان اور تقویٰ پختہ ہوتا جائے گا اسی طرح واسطۂ ولایت میں بھی پختگی آتی جائے گی۔ حقیقی ولایت اور دوستی اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے مگر اس ذاتِ کریمانہ نے اس ربط اور تعلق کو اپنے بندوں کے لئے بھی عام کیا اور سب سے پہلے اپنے رسول ﷺ کو یہ واسطہ عطا کیا پھر درجہ بدرجہ دیگر اہل ایمان کو بھی ولایت عطا ہوئی۔ ہر مومن مسلمان کو

(۱) النجم، ۵۳: ۳، ۴

حسبِ تقویٰ ولایت کا درجہ حاصل ہوتا ہے جو کہ ولایتِ عامہ ہوتی ہے۔ ولایتِ خاصہ انبیاء کا حصہ ہے کیونکہ ان کی دوستی بھی اللہ تعالیٰ سے دوستی ہوتی ہے۔ کامیابی اور غلبہ کے لئے واسطۂ ولایت کو شرط قرار دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○(۱)

بیشک تمہارا (مددگار) دوست تو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیں ○ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور ایمان والوں کو دوست بنائے گا (وہی اللہ کی جماعت ہے اور) اللہ کی جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہونے والے ہیں ○“

مذکورہ اِرشاد ربانی میں تین قسم کی ہستیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ ذاتِ باری تعالیٰ

۲۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ

۳۔ صادق اور راست باز اہلِ ایمان

ولایت کا استحکام اہلِ ایمان میں محبت و اخوت اور یگانگت پیدا کرنے کا واسطہ ہے جس سے ان تینوں ہستیوں کا آپس میں ربط اور تعلق مضبوط ہوتا ہے اور غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ سورۂ حج میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ط هُوَ مَوْلٰكُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○(۱)

(۱) المائدہ، ۵: ۵۵۔ ۵۶

’’اور اللہ (کے دامن) کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہی تمہارا مددگار (و کارساز) ہے، پس وہ کتنا اچھا کارساز (ہے) اور کتنا اچھا مددگار ہےo‘‘

پھر ایک اور مقام پر فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰـهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌo(۲)

’’سو بیشک اللہ ہی اُن کا دوست و مددگار ہے، اور جبریل اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد (سارے) فرشتے بھی (اُن کے) مددگار ہیںo‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ امر مترشح ہوا کہ مؤمنین و صالحین اور متقی لوگوں کی ولایت کا وسیلہ اور واسطہ منافی توحید نہیں۔ کیونکہ ولایت بھی خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق کے لئے واسطہ ہے جس خوش نصیب کو یہ مل جائے وہ ایمان اور عملِ صالح کی بدولت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقام و مرتبہ اور بلند درجہ پاتا ہے اور رب تعالیٰ اسے دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔

۲۰۔ واسطۂ اَذیت

انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر اہلِ عزیمت کو اِعلائے کلمۃ اللہ کے لئے شدائد و مصائب اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ طرح حضور نبی اکرم ﷺ کو کفار و مشرکین اور معاندین نے اپنی تئیں اذیتیں پہنچائیں مگر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی دلجوئی فرمائی کہ آپ ﷺ کو اذیت دینا دراصل اللہ تعالیٰ کو اذیت دینا ہے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) الحج، ۲۲: ۷۸

(۲) التحریم، ٦٦: ۴

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا○(۱)

’’بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اِیذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے (اس نے) ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے○‘‘

اللہ ﷻ نے اذیتِ رسول ﷺ کو اذیتِ خدا قرار دے کر اپنے محبوب ﷺ سے قرب و تعلق کی نوعیت واضح فرمادی کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ رسول کو تکلیف دینا اور ہے اور خدا کو تکلیف دینا اور ہے۔ اللہ ﷻ نے رسول ﷺ کی اَذیت کو اپنی اَذیت قرار دیا یوں کفار و مشرکین کا رسول ﷺ کو اذیت پہنچانا بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے مقام و مرتبہ اور بلندئ درجات کا واسطہ بن گیا۔ جو لوگ رسول ﷺ کو اذیت دینے سے باز نہ آئے تو اللہ رب العزت نے ان کے لئے دردناک عذاب کی وعید سنائی ارشاد فرمایا:

وَ مِنۡہُمُ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ النَّبِیَّ وَ یَقُوۡلُوۡنَ ہُوَ اُذُنٌ ؕ قُلۡ اُذُنُ خَیۡرٍ لَّکُمۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَ یُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ رَحۡمَۃٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ ؕ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ○(۲)

’’اور ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو نبی (مکرم ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان (کے کچے) ہیں۔ فرما دیجئے: تمہارے لیے بھلائی کے کان ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہلِ ایمان (کی باتوں) پر یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے رحمت ہیں اور جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کو (اپنی بدعقیدگی، بدگمانی اور بدزبانی کے

(۱) الاحزاب، ۳۳:۵۷

(۲) التوبۃ، ۹:۶۱

ذریعے) اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہےo‘‘

اللہ ﷻ کی ذاتِ مقدسہ ہماری طرح جسمانی عوارض و آلائش سے پاک ہے۔ اسے نہ تو کوئی تکلیف پہنچا سکتا ہے اور نہ مخلوق کی ایذا رسانی کی محسوسات کا گمان اس سے ممکن ہے۔ پس جب اس نے رسول ﷺ کی ایذا رسانی کو اپنی ایذا قرار دیا تو دراصل اس نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کے ساتھ اپنے تعلق کا ایک اور واسطہ بیان کیا جس کے ذریعہ اپنی بارگاہ میں آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ اور عظمتِ شان کو اجاگر کیا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اذیت کس طرح واسطہ بن گیا۔ گذشتہ صفحات میں ہم یہ بیان کر آتے ہیں کہ واسطہ درحقیقت دو ذاتوں کے درمیان رابطہ اور تعلق کا نام ہے جو دو بندوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے اور خالق و مخلوق کے درمیان بھی۔ اس تعریف کی رو سے دیکھا جائے تو اللہ ﷻ نے رسول ﷺ کی اذیت کو اپنی اذیت قرار دے کر آپ ﷺ کے ساتھ اپنے قرب اور تعلق کا اظہار فرمایا یوں یہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ربط و تعلق کا واسطہ بن گیا۔

۲۱۔ توحید اور واسطۂ مخالفت

حضور نبی اکرم ﷺ کو کفار و مشرکین اور دشمنانِ دین کی طرف سے قدم قدم پر مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ رب العزت نے نہ صرف آپ ﷺ کی دلجوئی فرمائی بلکہ آپ ﷺ کی مخالفت کو اپنی مخالفت اور آپ ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا۔ جو لوگ رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت بھی ایک ہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌo(۱)

’’اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت انگیز عذاب ہے‘‘

پھر فرمایا:

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ شَآقُّوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ۚ وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ○(۲)

’’یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ (اسے) سخت عذاب دینے والا ہے‘‘

ایک اور مقام پر فرمایا:

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ شَآقُّوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ۚ وَ مَنۡ یُّشَآقِّ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ○(۳)

’’یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے شدید عداوت کی (ان کا سرغنہ کعب بن اشرف نامور گستاخِ رسول تھا)، اور جو شخص اللہ (اور رسول ﷺ کی) مخالفت کرتا ہے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○‘‘

مندرجہ بالا دونوں آیات پر غور کریں۔ کفار و مشرکینِ مکہ نے مخالفت تو رسول اللہ ﷺ کی کی تھی مگر اُسے اللہ تعالی نے اپنی مخالفت قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص

(۱) النساء، ۴:۱۴

(۲) الانفال، ۸:۱۳

(۳) الحشر، ۵۹:۴

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عداوت ومخالفت کرے گا تو اللہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اسی طرح دوسرے مقام پر رسول کی عداوت کو اپنی عداوت قرار دیا اور بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ اسے سخت عذاب دینے والا ہے یہ رسول معظم ﷺ کی تعظیم وتکریم کی انتہا ہے کہ آپ ﷺ کی عداوت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عداوت قرار دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ کُبِتُوۡا کَمَا کُبِتَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ۚ[1]

’’بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں وہ اسی طرح ذلیل کئے جائیں گے جس طرح اُن سے پہلے لوگ ذلیل کئے جاچکے ہیں اور بیشک ہم نے واضح آیتیں نازل فرما دی ہیں، اور کافروں کے لئے ذِلت انگیز عذاب ہے۔‘‘

پھر فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الۡاَذَلِّیۡنَ ﴿﴾[2]

’’بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مخالفت کو اپنی مخالفت، نافرمانی کو اپنی نافرمانی، اور تکذیب کو اپنی تکذیب قرار دے کر اپنے محبوب نبی ﷺ کی دلجوئی کی اور رسول ﷺ کے ساتھ واسطہ اور تعلق کو بیان فرمایا: اس سے یہ

(۱) المجادلۃ، ۵۸: ۵

(۲) المجادلۃ، ۵۸: ۲۰

امر مترشح ہوتا ہے کہ مخالفتِ رسول ﷺ سے کفار و مشرکین ذلیل ترین ہو کر ذلت آمیز عذاب کے مستحق قرار پائے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے حق میں یہ مخالفت مضبوط تعلق باللہ کا واسطہ بنی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دشمنانِ دین کی طرف سے مخالفتِ رسول ﷺ آپ ﷺ کے بلندئ درجات کا واسطہ ہے۔

۲۲۔ توحید اور واسطۂ نصرت

حقیقی نصیر اور مددگار اللہ تعالیٰ ہے مگر اس نے اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر اہل ایمان کی طرف بھی مدد و نصرت کی نسبت کی۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ دین کی مدد و نصرت بھی قربِ خداوندی کا ایک واسطہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نصرت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت قرار دیا فرمایا:

۱۔ لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَ اَمۡوَالِهِمۡ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانًا وَّ يَنۡصُرُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۝ (۱)

’’(مذکورہ بالا مالِ فَے) نادار مہاجرین کے لئے (بھی) ہے جو اپنے گھروں اور اپنے اموال (اور جائیدادوں) سے باہر نکال دیئے گئے ہیں، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضاء وخوشنودی چاہتے ہیں اور (اپنے مال و وطن کی قربانی سے) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہی سچے مؤمن ہیں ۝‘‘

اصل میں تو لوگوں نے مال و وطن قربان کر کے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی مدد کی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد قرار دیا۔ دین کی مدد و نصرت اللہ تعالیٰ کی مدد اور کامیابی کا وسیلہ اور واسطہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

(۱) الحشر، ۵۹: ۸

۲۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَکُمۡ○(۱)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط رکھے گا○۔''

۳۔ اسی طرح اللہ کے محبوب مکرم ﷺ کی نصرت کامیابی کا واسطہ قرار پایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَعَزَّرُوۡہُ وَ نَصَرُوۡہُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ○(۲)

''پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں○''

انبیاء علیہم السلام سے جب عہد لیا گیا تو اس وقت حضور ﷺ کی نصرت کا وعدہ بھی شامل تھا، فرمایا:

ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنۡصُرُنَّہٗ ؕ(۳)

''پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے۔''

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ امر مترشح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کے دین کی مدد کو اپنی مدد قرار دیا۔ پس آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی ترویج و اشاعت

(۱) محمد، ۴۷:۷

(۲) الاعراف، ۷:۱۵۷

(۳) آل عمران، ۳:۸۱

کے لئے تگ و دو کرنا بھی رضائے الٰہی اور فلاح و کامیابی کا واسطہ و وسیلہ ہے۔

۲۳۔ واسطۂ تعبّد

گزشتہ صفحات میں ہم نے ان ۲۲ شرعی وسائط کا بیان کیا جو از روئے قرآن و حدیث ثابت اور جائز ہیں جیسا کہ ہم ابتداء میں بیان کر آئے ہیں کہ صرف عبادت کا واسطہ شرکیہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جملہ مخلوقات میں سے کوئی بھی ہستی عبادت میں اس کی شریک نہیں۔ عبادت ایک ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی غایتِ تعظیم کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بندے کی طرف سے انتہا درجے کی تعظیم جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو سکتی ہے وہ صرف عبادت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی تعظیم کی اس حد کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی بلند ترین ہے جبکہ مخلوق عبادت گزاری کے اعتبار سے ادنیٰ ترین مقام پر ہے۔ عبادت بندے کی طرف سے اس عظیم ترین ذات کے لئے بغایت درجہ ادب و تعظیم، خاکساری اور عجز و تذلل کی آئینہ دار ہے۔ عبد اور معبود کی ان دونوں انتہاؤں کے مابین رابطہ و تعلق پیدا کرنے والی چیز صرف عبادت ہے، یہ چیز اس امر کی متقاضی ہے کہ صرف اسی کی ہی عبادت کی جائے۔

جمہور ائمہ کا نقطۂ نظر

کسی عقیدہ اور مکتبِ فکر کے مسلمہ مفسرین و محدثین کرام، فقہاء و اصولین، اجل ائمہ لغت و ادب اور ائمہ عقائد کے درمیان عبادت کی تعریف کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں۔ مفسرینِ کرام نے سورہ فاتحہ کی آیت ''اِیّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیّاکَ نَسْتَعِیْنُ '' کے ذیل میں عبادت کی تعریف بیان کرتے ہوئے 'غایت الخضوع والتذلل' کے الفاظ استعمال کئے ہیں، تمام اجل مفسرین کے مطابق خضوع و تذلل کی بہت سی صورتیں اور درجات ہیں لیکن عبادت عاجزی و انکساری کا بلند ترین درجہ ہے جو صرف اللہ رب العزت کا ہی حق ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب ہم توحید فی العبادت کی بات کرتے ہیں تو اس کا معنی

عبادت میں توحید ہے۔ اس کا اطلاق ہم تعظیم پر نہیں کر سکتے۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں توحید فی العبادت کا ذکر ہے وہیں اس امر کا ذکر بھی ہے۔

عبادت اور تعظیم میں فرق

عبادت کی تعریف اور معنی و مفہوم سے ثابت ہوتا ہے کہ ادب و احترام اور تعظیم کا اعلیٰ ترین درجہ عبادت ہے جس کا حق دار و سزا وار صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے لیکن ہر تعظیم عبادت نہیں کیونکہ کسی بھی عمل کو عبادت قرار دینے کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ بندہ عاجزی و تذلّل اور عجز و انکساری کی اخری حد پر ہو...... جبکہ:

انبیائے کرام، صالحینِ عظام، والدین، شیوخ، اساتذہ یا کسی اور معزز ہستی کی عزت و توقیر، ان کا ادب و احترام، ان کی فرمان برداری، تعمیلِ ارشاد اور ان سے منسوب اشیاء کی حرمت و تکریم بھی ان کی تعظیم ہے۔ چونکہ یہ عمل درجۂ عبادت یعنی عاجزی و تذلّل اور عجز و انکساری کی آخری حد سے کم تر اور فروتر ہوتا ہے اور اس کی نوعیت بھی عمومی ہوتی ہے اس لئے عبادت کے زمرے میں نہیں آتا اور جائز امر ہے چونکہ کسی بھی طرح توحید سے متعارض و متصادم نہیں لہذا شرک کے دائرے میں ہرگز نہیں آتا۔

۲۔ رب تعالیٰ کے لئے تعظیم کا آخری درجہ ہو...... جبکہ:

انبیائے کرام، صالحینِ عظام اور بڑوں کی عزت و توقیر اور ادب و احترام ان کی تعطیم تو ہے مگر تعظیم کا آخری درجہ 'عبادت، نہیں۔ کوئی بھی راسخ العقیدہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم عبادت کی نیت سے ہرگز نہیں کرتا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص قرار دیا ہو...... جبکہ:

اسلامی تعلیمات اور معاشرتی ادب میں یہ بات شامل ہے کہ افرادِ امت درجہ بدرجہ ایک دوسرے کی عزت و تعظیم کریں۔ اولاد والدین کی تعطیم کرے، شاگرد

استاد کی، چھوٹا بڑے کی، یہ یک ایسا مطلوب و مقبول عمل ہے جسے ترک کرنے والا حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق امت سے خارج ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ يُؤَقِّرْ كَبِيْرَنَا.(۱)

’’وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور بڑوں کی عزت نہ کی۔‘‘

پس ثابت ہوا کہ عبادت کا مستحق فقط اللہ تبارک و تعالیٰ ہے لہٰذا کسی غیر کو عبادت کا حق دار سمجھنا یا غیر کی عبادت کرنا شرک فی العبادت ہے۔ توحید اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں ما سوائے اللہ رب العزت کے کسی کی عبادت جائز نہیں۔ کسی کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا جاسکتا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شرک عبادت کا مدِمقابل ہے لیکن ادب و احترام اور تعظیم پر مبنی کسی عمل کا شرک سے کوئی مقابلہ اور تضاد نہیں بلکہ تعظیم کا متضاد عمل بے ادبی، گستاخی اور توہین ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت شرک ہے

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو واسطہ بنانے یا کسی کا وہ ادب و احترام اور تعظیم جو درجۂ عبادت میں نہ ہو، اس حکم میں شامل نہیں۔ کفار و مشرکین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم ان بتوں کی عبادت کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ کفر و شرک اس اعتبار سے ہے کہ وہ مشرکین ان بتوں کی باقاعدہ عبادت کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کا ذریعہ ہیں۔ وہ کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللهِ زُلْفٰى.(۲)

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الصبیان، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۹

(۲) الزمر، ۳۹: ۳

’’ہم ان (بتوں) کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔‘‘

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدۂ تقرب کی واضح تکذیب کی ہے کیونکہ اگر وہ مشرکین اپنے اس قول میں صادق ہوتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے نزدیک ان بتوں سے زیادہ قابلِ تعظیم ہوتا اور وہ لوگ غیر اللہ کی عبادت نہ کرتے۔ لیکن وہ یہ جانتے ہوئے کہ اسلام میں کسی کو تقرب اِلی اللہ کے لئے وسیلہ بنانا جائز ہے، اس تصور کو بت پرستی کے جواز کی دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ توسل کی مشروعیت کے باعث مسلمان ہمارے بتوں کی عبادت کرنے کو نظرانداز کر دیں گے یا نرم گوشہ اختیار کر لیں گے۔ وہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ بتوں کی پوجا کرنے سے ہماری غرض و غایت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائیں۔ ان کے اس استدلال کو اللہ تعالیٰ نے رد کر دیا کیونکہ شرک کو کسی بھی عمل اور نیت کے ذریعے پاک اور حلال نہیں کیا جا سکتا۔

عبادت بلا شرکتِ غیرے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی سے دعا کرنی چاہیے اور اسی کو مستعانِ حقیقی سمجھنا چاہیے۔ اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے اور مصائب و آلام میں اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ کسی ماسوا اللہ کو حقیقی مددگار سمجھنا شرعاً جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی از خود کسی کو نہ کسی گناہ سے روک سکتا ہے نہ نیکی کی توفیق دے سکتا ہے۔ اسلام نے توحید کا یہ عقیدہ بالتصریح بیان کر دیا ہے کہ جو مخلوق ہو وہ خالق نہیں ہوسکتا، اس سے اسلام نے تمام جھوٹے خداؤں اور معبودانِ باطلہ کی نفی کر دی اور حتمی طور پر اس بات کا قطعی اعلان کر دیا کہ چاہے کوئی ہستی خواہ بعداز خدا بزرگی کے مقام پر فائز پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ ہی کی کیوں نہ ہوں خدا نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ مخلوق ہیں خالق نہیں۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ سمیت کسی نبی یا ولی کو واسطہ عبادت نہیں بنایا جا سکتا۔

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **آلوسی،** ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (۱۲۷۰ھ)۔ **روح المعاني فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثاني۔** بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۳۔ شاہ اسماعیل دہلوی (م: ۱۲۴۶ھ)، صراط مستقیم، دیوبند، انڈیا: کتب خانہ اشرفیہ

٤۔ بھوپالی، **مسک الختام شرح بلوغ المرام** ......

۵۔ **ابن تیمیہ،** احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **الصارم المسلول۔** بیروت، لبنان: دار ابن حزم، ۱۴۱۷ھ۔

۶۔ **ابن اثیر،** ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **النہایہ فی غریب الحدیث والاثر۔** قم، ایران: مؤسسہ ۱۹ء۔

۷۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۸۔ **ابن عساکر،** ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔ ۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ **تاریخ دمشق الکبیر (تاریخ ابن عساکر)۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۹۔ **ابن قیم،** ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب جوزیہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ/ ۱۲۹۲۔۱۳۵۰ء) **طریق الھجرتین و باب السعادتین۔ الدمام، المملکۃ السعودیۃ العربیۃ: دار**

ابن قیم، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۰۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۱۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایہ و النہایہ**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۲۔ **ابن منظور افریقی**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور المصری (۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۱۳۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۴۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۱۵۔ **احمد رضا**، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔ **حدائق بخشش**۔ لاہور، پاکستان: مسلم کتابوی، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۱۶۔ **اِسماعیل حقی**، علامہ اِسماعیل حقی حنفی (۱۱۳۷ھ)۔ **تفسیر روح البیان**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبۂ اِسلامیہ کوئٹہ۔

۱۷۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۱۸۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **التاریخ الکبیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۹۔ **بوصیری**، ابو عبد اللہ شرف الدین محمد (۶۰۸۔۶۹۶ھ/۱۲۱۲۔۱۲۹۶ یا ۱۲۹۷ء)۔ **قصیدہ بردہ شریف**۔

۲۰۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ / ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۲۱۔ **جرجانی**، علی بن محمد بن علی، السید الشریف (۷۴۰۔ ۸۱۶ھ)۔ **التعریفات**۔ بیروت، لبنان:: مکتبہ عالم الکتاب، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۲۲۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۲۳۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ) ۔**السیرة الحلبیة/ إنسان العیون**۔ بیروت، لبنان، دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۲۴۔ **خازن**، علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل (۶۷۸۔۷۴۱ھ/ ۱۲۷۹۔۱۳۴۰ء) ۔**لباب التأویل فی معانی التنزیل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۲۵۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۲۶۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فنا خسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ /۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۲۷۔ **راغب اصفہانی**، ابو قاسم حسین بن محمد (م۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸ء)۔ **المفردات**۔ دمشق، شام: دار القلم + بیروت، لبنان، الدار الشامیہ، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۲۸۔ **زبیدی**، امام محبّ الدین ابو فیض السید محمد مرتضی حسینی واسطی حنفی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ/ ۱۷۳۲-۱۷۹۱ء)۔ **تاج العروس من جواهر القاموس**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۴ء/ ۱۴۱۴ھ۔

۲۹۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان

(۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ **الخصائص الکبریٰ**۔ فیصل آباد، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۳۰۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ **الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ۔

۳۱۔ شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی (م: ۱۱۷۶ھ)، القول الجمیل، لاہور، پاکستان: مکتبہ رحمانیہ۔

۳۲۔ **صاوی**، احمد بن محمد خلوتی مالکی (۱۱۷۵۔۱۲۴۱ھ/ ۱۷۶۱۔۱۸۲۵ء)۔ **حاشیہ علی تفسیر الجلالین**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۳۳۔ **طاہر القادری**، ڈاکٹر محمد طاہر القادری ۔ **عرفان القرآن**۔ لاہور، پاکستان: منہاج القرآن پبلی کیشنز۔ ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۳۴۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط**۔

۳۵۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۶۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔

۳۷۔ **عبدالحق محدث دہلوی**، (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ **أشعۃ اللمعات**۔ سکھر، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۷۶ء۔

۳۸۔ **عبدالحق محدث دہلوی**، شیخ (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ **لمعات التنقیح**.

۳۹۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ **کشف الخفا و مزیل الألباس**۔ بیروت، لبنان:

مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

۴۰۔ **فاسی**، محمد مہدی بن احمد بن علی یوسف، (۱۰۳۳۔۱۱۰۹ھ/۱۶۲۴۔۱۶۹۸ء)۔ **مطالع المسرات**۔ فیصل آباد، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۴۱۔ **قسطلانی**، ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک بن احمد بن محمد بن محمد بن حسین بن علی (۸۵۱۔۹۲۳ھ/۱۴۴۸۔۱۵۱۷ء)۔ **المواہب اللدنیہ**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۴۲۔ **مالک**، ابن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطأ**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۴۳۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۴۴۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۴۵۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد و منبع الفوئد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

www.MinhajBooks.com